رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی) و مولوی صدر الدین (بی۔ اے۔ بی۔ ٹی)

نمبر (۲)	بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۶ء	جلد (۲)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ دسمبر سنہ ۱۹۱۵ء

(۱) شذرات (ایڈیٹر) ۴۹ (۲) اسلام کی ایک سرگذشت (یحییٰ النصر پارکنسن) ۵۴
(۳) توحید الٰہی کا کمال صرف اسلام میں ہے (ڈاکٹر بشارت احمد صاحب) ۵۷ (۴) اسلامی جنگوں کی ابتداء اور غرض (البقرہ۔ رکوع ۲۴) ۸۰ (۵) سال نو اور برٹش مسلم ۹۱
(۶) نئے عہد نامے کی عمر ۹۵

... فروری سنہ ۱۹۱۶ء کو خلیفہ رشید الدین صاحب کے اہتمام سے ...

قیمت سالانہ تین (۳) روپے

وی پی وصول کنندگان اصحاب مورد ذیل پر توجہ فرمائیں

[illegible] وقت ہم کو وہ کوپن زر وصول شدہ وی۔پی کے ساتھ ڈاک خانہ [illegible] میں نہیں ملتا کہ جس پر وصول کنندہ کا نام اور پتہ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے [illegible] وصول ہو جاتا ہے۔ لیکن کوپن کے مذکورہ بالا نقص کے باعث ہمیں خریدار کا پتہ نہیں چلتا اور [illegible] جاری نہیں ہو سکتا۔ ایسی شکایات کثرت سے آتی ہیں۔ اسی [illegible] تصو[illegible] سکتا ہے۔ کہ جس وقت کوئی صاحب وی۔پی وصول کریں تو اسی وقت [illegible] ہمیں اطلاع بخشیں کہ انہوں نے [illegible] وی پی وصول کر لیا۔ اور اپنا پتہ [illegible] گرامی [illegible] رسالہ نہ پہنچے تو فی الفور ہمیں اطلاع دیں [illegible] قیمت تو دے چکے ہیں [illegible] نہیں پہنچتا۔ عین عنایت ہوگی

[illegible] انچارج

اشاعت اسلام (عزیز منزل) احمدیہ بلڈنگس [illegible] لاہور

تصاویر نو مسلمان لندن

ہمارے [illegible] متعدد تصویریں نومسلموں کی [illegible] ووکنگ آفس لندن سے [illegible] آئی ہیں۔ قیمت فی تصویر صرف ایک آنہ [illegible]

[illegible] وی پی [illegible] خریدار [illegible] کے خریدار کو [illegible]

[illegible] انچارج اشاعت اسلام لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم - السلام عليكم و رحمة الله

Yours fraternally

Ansar Neville J. Whymant, PH.D., LITT.D., F.S.P.

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۲) بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۶ء نمبر (۲)

شذرات

ماہ ستمبر کے نومسلموں کی فہرست ذیل ہمارے ووکنگ کے دفتر سے موصول ہوئی ہے :-

۱- مس اسٹڈ ...... اسلامی نام سعیدہ - مع ایک فرزند کے +

۲- مسز فریڈرک ..... " صدیقہ } مع ایک لڑکی اور دو لڑکوں کے +

۳- مسٹر فریڈرک ...... " فرید }

۴- مس سمتھ ...... " عائشہ

۵- مس راڈبین ...... " صافیہ

گویا کل نو کا اضافہ ہوا - فالحمد للہ علیٰ ذالک +

ان نومسلمین میں سے ایک خاتون بالخصوص قابل ذکر ہیں - جن کا نام سب سے آخر پر ہے - وہ ووکنگ کے ایک امیر خاندان کی لڑکی ہیں - اور اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی

ان کی تعلیم و تربیت نہایت اعلےٰ درجہ کی ہے۔ مسن راڈ بین کے والدین بھی اسلام کو بہت محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور خدا چاہے تو بیٹی کا اسلام لانا اُن کے لیئے بھی موجب ہدایت ہو۔ اس نوجوان خاتون کے اسلام کا ذکر کرتے ہوئے مولوی صدرالدین صاحب امام مسجد ووکنگ لکھتے ہیں۔

"یہاں پر شکریہ کے طور پر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ میں مکرمی ملک فیروز خان و مکرمی ملک سُلطان خان صاحبان کا ذکر کروں جو گذشتہ موسم سرما میں تعطیلات کے موقعہ پر چند ماہ کے لیئے اس خاندان میں آکر ٹھیرے۔ اور اُن کے اسلامی اخلاص کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس خاندان سے میرا بھی تعارف ہوگیا۔ وُہ مسجد میں آنے لگے اور مجھے بھی چند مرتبہ اُن کے ہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالےٰ ان دونوں نوجوانوں پر جو اس وقت کیمبرج اور آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں بڑے فضل کریگا۔ کیونکہ اُنھوں نے اعلےٰ اسلامی اخلاق کا نمونہ دکھا کر اس گھر کو گرویدہ کر لیا"۔

اگر ہم ایک نظر اسلام کی گذشتہ تاریخ پر ڈالیں اور یہ دیکھنا چاہیں کہ وُہ کون سے اسباب تھے۔ جنھوں نے دُنیا کو اسلام کا گرویدہ کر دیا۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ وہ صرف اعلےٰ اسلامی اخلاق تھے۔ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی معجزات نے ہی عرب کو فتح کیا۔ اور ان لوگوں کو جو اپنا سر کسی انسان کے سامنے جھکانا پسند نہیں کرتے تھے آپ کا فرمانبردار بنا دیا۔ قرآن کریم اور احادیث کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کس کثرت سے مخلوق صرف نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی معجزات کی وجہ سے اسلام میں داخل ہوئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اخلاق نے قوموں کی قوموں کو ان کا گرویدہ کر کے اسلام کے حلقہ بگوش بنا دیا۔ پھر اولیاء اللہ کے اخلاق فاضلہ نے ہی لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلموں کو اسلام کے شیدا بنایا۔ غرض اصل فتح اخلاق فاضلہ سے حاصل ہوتی ہے۔ مگر مسلمانوں نے جب سے قرآن کو چھوڑا اخلاق فاضلہ سے بھی عاری ہو گئے۔ ورنہ جس قدر مسلمان آج تک انگلستان اور دیگر ممالک میں جاتے رہے ہیں۔ اگر وہ اسلامی اخلاق دکھاتے تو آج اسلام کے متعلق یورپین علماء و فضلاء کی وہ رائے نہ ہوتی جو ہے۔ افسوس یہ ہے کہ آج تک مسلمانوں نے اس بات کو سمجھا ہی نہیں کہ اُن کو اللہ تعالےٰ نے انسانیت کے اعلےٰ سے اعلےٰ مرتبہ پر کھڑا کیا ہے۔ اس لیئے وُہ بجائے اسکے کہ

دُوسروں کے معلّم بنتے اور اعلےٰ اسلامی اخلاق ان کو سکھاتے۔ خود معمُولی باتوں میں دوسروں کی کاسہ لیسی اختیار کرتے ہیں۔ اور اس لیئے دُوسروں کی نظر میں ذلیل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ہزاروں مُسلمان جو ہر سال دیگر ممالک میں جاتے ہیں اسلام کے واعظ بن سکتے ہیں۔ اگر وُہ اپنے نفس پر قابُو رکھ سکتے ہوں اور اپنے عمدہ اخلاق سے دُوسروں کو متاثر کر سکیں۔

گذشتہ ماہ کے قابل ذکر امُور میں سے مسجد ووکنگ میں ایک نکاح کا ہونا ہے۔ جسکو دیکھنے والا ایک بڑا بھاری مجمع مسلموں اور غیر مسلموں کا تھا۔ یہاں تک کہ مسجد کے دروازہ سے لے کر پھاٹک تک جگہ خالی نہ رہی۔ اس عظیم الشان مجمع کی جو دعوت بر تنگ خطبہ نکاح مولوی صدرالدین صاحب نے قرآن و حدیث کے پاک ارشادات سنا کر کی۔ اسمیں سے چند باتیں بطور اختصار ذیل میں درج ہیں "اسلام نے کسقدر فضل کیا ہے اس نازک مخلوق پر جس پر ابھی تک مہذّب دنیا میں بھی ظلم اور تعدّی روا رکھی جاتی ہے عیسائی ممالک میں جو عورت کی قدر نہ کی گئی اور اسکو گرجا کے مقدّس مقام کے نزدیک نہ آنے دیا گیا۔ اور شادی کے پاک تعلق کو ناپاک سمجھا گیا۔ اس کی وجہ وُہ عقیدہ ہے جو یہ ہوتا ہے کہ گناہ عورت کے ذریعہ سے اس دُنیا میں آیا۔ اور ایک دانے کے چھُونے کی غلطی کو خدا تعالےٰ نے جس کو "وہ محبّت ہی محبت ہے" کے الفاظ سے پکارا جاتا ہے معاف نہ کیا۔ جب تک مسیح کی قربانی اور اُس کے خون نے اس کے غصّے کی آگ کو فرو نہ کیا۔ اسی عقیدہ کی بناء پر اس پاک رسم شادی کو جو نیکی اور طہارت کا منبع ہے۔ اور جس پاک تعلّق کے نہ ہونے سے انسان بدکرداری میں پڑ جاتا ہے۔ عیسائی ممالک میں لوگوں نے راہبوں کی زندگی کو مقدّس زندگی خیال کیا اور اس کے بدنتایج کو بھگت کر اس کی ایک فرقے نے اصلاح بھی کر لی۔ انجیل نے طلاق جیسے ضروری مسئلہ کو ناجائز قرار دیا۔ اجازت بھی دی تو صرف زنا کے ارتکاب پر اس سے جو ظلم عورتوں پر ہوا ہے وُہ یورپ سی مہذب دُنیا میں کوئی آکر دیکھے یا اُن کے اخبارات میں طلاق کے متعلّق فیصلہ جات کا مطالعہ کرے دل کانپ جاتا ہے۔ کہ کس طرح میاں یا بیوی ایک دُوسرے پر زناکاری کا الزام لگاتے اور اُس کی شہادت مہیّا کرتے ہیں۔ استغفر اللہ ربی۔ پھر رسول کریم صلّے اللہ علیہ وسلم نے جو رحمۃ للعالمین تھے دیکھا کہ عورتوں کو کوئی حق ورثہ حاصل نہیں ہے۔ حق ورثہ کیا اس مخلوق کے لیئے جائز رکھنے جبکہ

مذاہب نے فرقۂ نساء پر سخت سے سخت الزام لگا دیئے۔ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار دیا جاتا تھا۔ نہ انجیل نے کوئی ایسے قانون دیئے۔ اور نہ ہی اس وقت کی مہذب و روشن دماغ دنیا نے ان بیچاریوں کے لیئے کوئی حقوق قایم کیئے۔ پر قربان جائے جان رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم پر جو حضور نے اس نازک و بیکس حصۂ مخلوق کے لیئے ظاہر فرمائے۔ پہلے اس بنیاد کو لیا اور اُن آیات کو جو ہم نے خطبہ میں پڑھی ہیں حضور بھی شادی کے خطبہ میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اس میں صاف فرمایا کہ خلق منہا زوجہا۔ کہ مرد عورت کا جوڑا اسی قسم سے اسی نوع سے مخلوق کیا جیسا کہ لفظ منہا ظاہر کرتا ہے۔ جب دونوں ایک نوعیت رکھتے ہیں تو بھی ایک کو گنہگار قرار دینا یا ادنیٰ مخلوق تصور کرنا غیر معقول بات ہے۔ دونوں خدا تعالیٰ کی مخلوق ہیں دونوں ضروری ہیں۔ دونوں ایک نوع سے ہیں۔ اس کے حضور دونوں کا رتبہ برابر ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا من عمل صالحاً من ذکرٍ او انثیٰ وھو مومن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ۔ مرد ہو یا عورت عمل صالح سے خدا تعالےٰ کے حضور سے انعام پا سکتا ہے۔ نہ مرد کو اس کی خصوصیت ہے نہ ہی عورت اس کے دربار سے رانده شده ہے۔ اسی طرح سے دیگر آیات ہیں جن میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے حضور میں عورت مرد یکساں مراعات حاصل کر سکتے ہیں۔ جب اللہ تعالےٰ اُن کے حقوق میں کمی جائز نہیں ٹھیراتا تو انسان کیوں ایسا کرنا جائز سمجھیں۔ انسان کو حکم دیا ولھن مثل الذی علیھن۔ عورتوں کے حقوق ہیں ویسے ہی جیسے کہ مردوں کے حقوق ان کے ذمہ ہیں۔ عورتوں کا لفظ پہلے رکھ کر اس پر زور دیا ہے اور اس زور کی حمایت کے معنے ہی یہی ہیں کہ عورتوں پر ظلم ہو رہا تھا۔ اور پھر فرمایا مردوں کے لیئے عورتیں لباس کا کام دیتی ہیں۔ ان کے بغیر وہ بدکار ہو کر اپنی برہنگی اپنی بدخلقی اور کج روی کو دنیا پر ظاہر کر دیتے ہیں۔ پس یہ مخلوق جس کے بغیر انسان روحانی اخلاقی اور تمدنی دنیا میں برہنہ رہجاتا ہے کس قدر قدر کے قابل ہے فرمایا ھن لباس لکم الخ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم عورتوں کے لیئے لباس ہو۔ یہاں بھی برابری حقوق کو مدنظر رکھا ہے۔ اور ھن لباس لکم کو پہلے رکھ کر پھر حمایت فرمائی ہے کہ عورتیں تمہارا لباس ہیں۔ پھر فرمایا جعل بینکم مودۃ ورحمۃ ہم نے تمہارے جذبات میں ایک دوسرے کے لیئے مودۃ اور رحمت پیدا کر دی ہے۔ ان پاک جذبات کا نتیجہ شادی ہے۔ پس شادی پاک ہے۔ ان جذبات کو مدنظر رکھو۔ عورتوں کے ساتھ برتاؤ جتنا بھی ہو اسمیں مودۃ

اور رحمت کا رنگ پایا جائے اور پھر فرمایا ولا تنسوا الفضل بینکم آپس میں سلوک و احسان اور افضال کے طریق کو مت فراموش کرو اور پھر فرمایا عاشروا ھن بالمعروف عورتوں کے ساتھ سلوک نیکی و معروف پر مبنی ہو۔

ہماری سرکار حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ ایسی نرمی و محبت اور احسان کے سلوک کیے کہ سب کی سب حضور کی مدح سرا ہیں۔ جس برتن سے اُن کی بیوی پانی پیتی اُسی برتن سے اُسی جگہ مُونھ رکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پانی پیتے۔ حضرت صفیہؓ جب اُونٹ پر چڑھنے لگیں تو حضور نے اپنا زانو پیش کیا۔ کہ اس پر قدم رکھ کر چڑھیں اور اپنی چادر کو تہ کر کے ان کے نیچے رکھا۔ تاکہ اُن کو آرام حاصل ہو۔ حضرت عائشہ کا ایک معمولی سا ہار ایک مہم میں گم ہو گیا تو کوچ کا حکم منسوخ فرما دیا تاکہ اس ہار کی تلاش کی جاوے۔ جب کبھی حضور بکری ذبح کرتے تو اس میں سے گوشت کے ٹکڑے حضور خدیجہؓ کی سہیلیوں کو بطور تحفہ بھیجتے تھے حضرت فاطمۃ الزہرا جب اپنے سسرال سے تشریف لاتیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُنکا استقبال کرتے اور بڑا اکرام کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضور غنیمت کا مال تقسیم کر رہے تھے تو حضرت حلیمہ سعدیہ تشریف لائیں۔ حضور کے پاس رپورٹ ہوئی۔ فرمایا اماں صاحبہ تشریف لائی ہیں۔ سفید چادر بچھا دی۔ اور ادب اور تعظیم کے ساتھ اس کو بٹھایا۔ غرض رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس فرقہ پر بہت ہی بڑا فضل کیا۔ نہ صرف لڑکیوں کا زندہ گاڑنا دور فرمایا۔ ان کو وراثت کا حقدار کیا۔ نہ صرف اُن کے حقوق کا تصفیہ کیا نہ صرف عورتوں کا اکرام اور صلہ رحمی کا لحاظ رکھا بلکہ فرمایا بہشت والدہ کے قدموں کے نیچے ہے اور بہت افسوس اُس شخص پر جس نے ماں یا باپ کو بڑھاپے میں پایا۔ اور جنّت نہ حاصل کی۔ یعنی تواضع و خاطر سے۔

اس نمبر میں ناظرین ایک لمبا مضمون توحید پر پائیں گے جسمیں یہ دکھایا گیا ہے کہ توحید کا کمال اسلام میں ہی ہے۔ درحقیقت توحید کے مسئلہ کو پورے طور پر سمجھ کر ہی انسان حقیقی رنگ میں مسلم کہلا سکتا ہے۔ اس مضمون سے ایک مسلمان نہ صرف یہی سبق سیکھتا ہے کہ اسلام کی توحید کے مقابل دوسرے مذاہب میں توحید کی تعلیم کیسی ناقص ہے بلکہ اسمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان کی عملی زندگی پر توحید کی تعلیم کا جو مدار نجات ہے۔ کیا اثر ہونا چاہیئے۔ ہم افسوس کرتے ہیں کہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے حفاظت قرآن کا سلسلۂ مضامین ہم ابھی

شروع نہیں کر سکے۔ مگر امید ہے انشاء اللہ جلد ہم اس وعدہ کو پورا کرنے کے قابل ہو جائینگے۔

اسلام کی ایک سرگذشت

نمبر ۲

(از یحییٰ النصر پارکنسن)

بسلسل گذشتہ نمبر

لنٹ کہتا ہے :۔

"کوئی واقعات ایسے نہیں جن سے ثابت ہو کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بڑی دور اندیشی رکھنے والا انسان تھا۔ یا یہ کہ اُن کو دور کوئی صاف رہنمائی کرنے والا ستارہ نظر آتا ہو جس کی طرف وہ قدم اُٹھا رہا ہو"

مارگولیتھ لکھتا ہے :۔

"یہ فرض کرکے کہ وُہ اپنی اصلاح کی تجویز پر سالہا سال سے غور کر رہے تھے" ....

"یہ ان کی عادت تھی۔ کہ وُہ اپنی تجویزوں کو اس وقت پیش کرتے تھے۔ جب وہ پختہ ہو جاتی تھیں۔ جو کام اُنھوں نے خود کرنا ہو وہ بہت سالوں سے اُن کے دل میں موجود ہوتا تھا"

"ہم زیادہ آسانی سے اس عقلمندی کی قدر اور تعریف کر سکیں گے جس کے ساتھ اُنھوں نے اپنا راستہ بنایا۔ اگر ہم صفائی سے اس مقصد کو مدّ نظر رکھیں جس کے حاصل کرنے کے لئے وُہ اپنے آپ کو ایک طرف لے جا رہے تھے"

یہ عیسائی کس طرح ایک دُوسرے کو جھوٹا بناتے ہیں۔ جب وُہ نوجوان جو بچپن میں لنٹ کے خیالات سے متأثر ہو چکے ہونگے۔ کبھی آئندہ پروفیسر مارگولیتھ کے بیانات کو پڑھینگے تو پھر "رونا اور چلانا اور دانتوں کا پیسنا ہوگا" پھر اس کے بعد دماغ میں یہ کشمکش پیدا ہوگی

کہ دو فاضل مصنفوں میں سے کس کی بات کو سچّا مانیں۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ عقلمندی سے کام لے کر وہ اس صحیح نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہ دونوں قابل اعتبار نہیں۔ اور خود تحقیقات کریں گے۔ تب اُن کو معلوم ہوگا کہ نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلم نہ تو جیسا ایک عیسائی مصنف نے اُن کو بتایا تھا۔ ایسے جاہل تھے۔ کہ صفائی سے کسی معاملہ پر رائے قائم نہ کر سکتے ہوں۔ اور دُور اندیشی کے مادہ سے عاری ہوں۔ اور نہ وہ جیسا کہ دوسرا مصنّف لکھتا ہے اس قسم کے منافقانہ چالبازیوں کے مرتکب تھے۔ کہ صرف اپنے اہل ملک پر ظاہری حکومت حاصل کرنے کے لیئے جوڑ توڑ میں لگے رہتے ہوں نہ وُہ نعوذ باللہ من ذالک ایسے فقرے تھے۔ کہ شروع سے عرب کی حکومت اور بادشاہت انکا مطمع نظر ہو۔ بلکہ وُہ معلوم کرلیں گے کہ آپ شروع سے ایک پُر جوش مُصلح تھے۔ جن کے مدعا اور مقصد میں کوئی روک حائل ہو کر آپ کو اس سے نہ ہٹا سکتی تھی۔ اور وہ مُدعا یا مقصد یہ تھا۔ کہ اپنی قوم کو بُت پرستی کی ذلّت اور غلامی سے باہر نکالیں تمدّن اور اخلاق میں اُن کو ترقی دیں۔ اور اُن کو خدائے واحد کی پرستش پر قائم کریں۔ وُہ معلوم کرلیں گے۔ کہ یہی وُہ مقاصد تھے۔ جو اُن کی زندگی میں غالب اثر رکھتے تھے اور آپ کے سب کام اُنہی اغراض سے وابستہ اور اُنہی کو مقدّم کرنے والے تھے۔ یہی آپ کے تمام خیالات کا مرکز تھے اور انہی کی تکمیل آپ کی ساری طاقتوں اور خواہشات کا منشا تھا۔ آپ انہی خیالات کے اندر ایسے مستغرق تھے۔ کہ تاج اور تخت اور ظاہری حکومت کو خیال میں لانے کے لیئے بھی آپ کے پاس وقت نہ تھا۔ بلکہ اُس وقت بھی تاج و تخت کی طرف آپ کی نگاہ نہیں گئی جب آپ کے للّہی جذبہ کے سامنے بُت پرستی کی طاقتیں پاش پاش ہوگئیں اور آپ کی ہمّت بلند نے عرب کی کایا پلٹ دی۔ جب نہ صرف مذہب پر ہی ایک انقلاب عظیم آیا۔ بلکہ ہر ایک قسم کی ترقی نے قدم جمایا۔ اور ایک ایسی طاقت کا ظہور ہوا۔ جس نے نسل انسانی کی آئندہ بہتری اور بہبودی پر ایک کامل اور قوی ترین اثر پیدا کر دکھایا +

کتاب کے اس حصّہ میں جہاں اسلامی طاقت کے پھیلنے اور عربوں کی سلطنت کے عروج اور زوال پر بحث ہے۔ تاریخی علم کی کمی اور تمدنی اصول سے ناواقفی نمایاں ہے۔ اس سارے حصّہ کے متعلق ہمارے ناظرین ذیل کے دو تین اقتباسات سے صحیح رائے قائم کر سکتے ہیں +

"مگر کثرت سے صورتحال میں عیسائیوں کو سول عہدوں پر مقرر کرنے کی ممانعت تھی"
"مگر یہ شاذ و نادر ہوتا تھا۔ کہ اردگرد کے مسلمان عیسائیوں کو آرام سے رہنے دیں۔ دکھ دینے والی اور ذلیل کرنے والی شرائط ان پر عائد کی جاتی تھیں"
"ہسپانیہ کے عیسائی گرجاؤں اور راہب خانوں کے خزانے ایک ایسا ابتلا ثابت ہوئے جس سے مسلمان بچ نہیں سکے اور اس قسم کی مثالیں ابتدائی صدیوں میں بھی عام طور پر پائی جاتی ہیں۔ کہ عیسائیوں کو اُن کے مذہب کی وجہ سے ایذا دیجاتی تھی۔ بلکہ جان سے بھی مارا جاتا تھا"
منقولہ بالا بیانات اس نیم دروغ اور نیم راستی کی مثالیں ہیں جن کا اثر خطرناک مگر جنکی تردید بھی سخت مشکل ہوتی ہے جس کو ٹنی سن نے بھی منظوم کیا ہے۔ اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ اسلامی حکومت کے طول طویل زمانہ میں کچھ ایسے بھی مگر بہت تھوڑے بادشاہ گذرے ہیں۔ جنھوں نے مذہب اسلام کی بردباری کی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔ اور انھوں نے نہ صرف غیر مسلموں پر بلکہ مسلموں پر بھی زیادتیاں کیں۔ مگر ان کی مطلق العنانی اور خود مختیاری کو سب سے بڑھ کر برا کہنے والے خود مسلمان علماء تھے لیکن ایک تاریخ کا طالب العلم کبھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ ظلم و تعدی اور مذہبی تعصب و عناد کی مثالیں اسلام کی تاریخ میں بہ نسبت کسی دوسرے مذہب یا دوسری قوم کی تاریخ کے بہت کم پائی جاتی ہیں۔ اور کہ یہ عیسائی مذہب کی تاریخ ہے جو اس تاریخی وصف میں سب سے اوّل نمبر پر ہے یعنی جس قدر مذہب کی خاطر یا عیسائیت قبول کرنے کی خاطر لوگوں کو عیسائی مذہب کے پیروؤں نے تکلیفیں پہنچائی ہیں۔ اور دکھ دیئے ہیں اور زندہ جلایا ہے اس قدر اور کسی مذہب نے ان افعال شنیعہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ ہسپانیہ کا محکمہ تحقیقات مذہبی اور صلیبی جنگوں میں یہودیوں اور مسلمانوں کی جو خونریزی عیسائیوں کے ہاتھوں سے ہوئی ہے وہ اسلامی تاریخ میں اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتی۔ اگر ہم پاگل مسلمان بادشاہوں نے جیسے متوکل (۸۴۷-۸۶۱) اور حاکم (۹۹۶-۱۰۲۱) غیر مسلموں پر ظلم روا رکھے تو انھوں نے مسلموں پر کم ظلم نہیں کیا۔ مگر یہ مثالیں ایک لمبی مذہبی بردباری کی تاریخ میں استثنا ہیں نہ کہ عام قاعدہ۔ جیسا کہ عیسائی مصنف اپنے قارئین کو یقین دلانیکی کوشش کرتے ہیں۔ یہ باتیں اسلام یا اسکے کسی اصول کیوجہ سے نہ تھیں بلکہ محض بادشاہوں کی دماغی خراب حالت انکی اصل وجہ تھی اور اسلیئے مسلمان علماء نے کبھی ان باتوں کی تائید نہیں کی بلکہ ان دونوں بادشاہوں کے عہد حکومت میں بہت سے قاضیوں نے انکے احکام کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا کیونکہ انکے احکام قرآن کریم کے احکام اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف تھے +

توحید الٰہی کا کمال صرف اِسلام میں ہے

(از جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اسسٹنٹ سرجن کامل پور)

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ فاما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قل ھو اللہ احد۔ اللہ الصمد۔ لم یلد ولم یولد۔ ولم یکن لہ کفواً احد۔

کہدے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے احتیاج ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا۔ اور نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ اور نہ کوئی اُس کا ہمسر ہے*

واضح ہو کہ احد اسے کہتے ہیں جس میں دوئی کا کوئی بھی احتمال نہ ہو۔ نہ بلحاظ ذات کے نہ صفات کے نہ افعال کے اور نہ بلحاظ مستحق تعظیم و عبادت ہونے کے۔ پس فرمایا۔ کہ اللہ ایک ہے[۲]۔ اللہ بے احتیاج ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ کسی سے جنا گیا۔ اور اُس کا کوئی ہمسر نہیں۔ ظاہر ہے کہ شرکت کے لئے جو امور ہو سکتے ہیں وُہ بھی چار ہیں:۔

۱۔ اوّل یہ کہ کسی [illegible] کی احتیاج ہو۔ مثلاً دیکھنے کے لئے آنکھ یا روشنی کا محتاج ہو یا سننے کیلئے کان یا ہوا کی حاجت ہو۔ یا پیدا کرنے کے لئے مادہ اور رُوح کی ضرورت ہو یا قیام کے لئے کسی تخت کی ضرورت ہو۔ اس صورت میں گویا خدا کی خدائی جب ہی چل سکتی ہے جب وہ تمام چیزیں جن کی اُسے حاجت ہے خدا کے ساتھ ساتھ موجود ہوں اور اس صورت میں وہ چیزیں خدا کے ساتھ شریک ٹھیریں گی۔ کیونکہ بغیر اُن کے خدا کی ہستی لاشے اور بیکار محض ہے۔ پس اِسی لئے فرمایا۔ کہ خدا بے احتیاج ہے۔ یعنے دیکھنے کے لئے اُسے کسی چیز کی احتیاج نہیں نہ روشنی کی نہ آنکھ کی۔ بلکہ دیکھنا اس کی صفت ازلی ہے۔ اسی طرح سُننے کے لئے نہ ہوا کی حاجت ہے نہ کان کی۔ بلکہ سُننا اُس کی صفت ازلی ہے۔ پیدا کرنے کے لئے نہ مادہ و رُوح کی ضرورت ہے نہ ہاتھ اور کسی آواز کی۔ بلکہ پیدا کرنا اُس کی صفت ازلی ہے۔ اِسی طرح قیام اُس کی صفت ازلی ہے اور اُسے کسی تخت کی حاجت نہیں۔ پس توحید کے لئے یہ ضروری ہے

۲۔ یعنے ذات و صفات اور افعال اور مستحق تعظیم و عبادت ہونے میں ایک ہے۔ یعنے اس کی ذات اور صفات اور افعال اور مستحق تعظیم و عبادت ہونے میں کوئی اُس کا شریک نہیں۔ پھر فرمایا:۔

کہ اسے کسی چیز کی حاجت نہ ہو۔

۲- دوسرا امر جس سے شرکت پیدا ہوا کرتی ہے۔ وہ کسی کو جننا ہے۔ جب کوئی خدا سے پیدا ہوگا تو ضرور ہے کہ وہ اس کا بیٹا ہو۔ اور وہ خدا ہوگا اور شریک ہوگا۔ پس اس لئے فرمایا کہ اس نے کسی کو نہیں جنا۔ یعنے اُس کا کوئی بیٹا نہیں۔ اسی لیئے کوئی اس کا شریک نہیں۔ گویا توحید کے لیئے یہ ضروری ہوا کہ اس کے کوئی بیٹا نہ ہو۔

۳- تیسرا امر جس سے شرکت پیدا ہوا کرتی ہے وہ کسی سے جنا جانا ہے۔ جب خدا کسی سے پیدا ہوگا تو ضرور ہے کہ وہ اس کا باپ یا ماں ہو۔ اور وہ خدا بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہوگا۔ اور اسطرح شرکت لازم آئے گی۔ پس توحید کے لیئے ضروری ہوا کہ خدا کسی سے جنا نہ گیا ہو۔

۴- چوتھا امر جس سے شرکت پیدا ہوا کرتی ہے۔ وُہ یہ ہے۔ کہ کوئی ہمسر ہو۔ جب کوئی خدا سے ہمسر ہوگا تو ضرور ہے کہ وہ شریک ہو۔ پس فرمایا۔ کہ خدا کا کوئی ہمسر نہیں۔ کیونکہ یہ توحید کے لیئے ضروری تھا۔

اس سورۃ شریف میں خدا کو احد فرما کر پھر شرکت کے لیئے جو چار امور ہو سکتے ہیں یعنے احتیاج ۱ کسی کو جننا ۲۔ کسی سے جنا جانا ۳۔ ہم سری ۴۔ ان سب سے خدا کی ذات اور صفات کو مبرا بتلایا ہے تا توحید حقیقی اور کامل حاصل ہو۔ کیونکہ اگر خدا کی صفات کے متعلق ان چار باتوں میں سے ایک کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو شرک لازم آجائے گا۔ جیسا کہ میں اوپر ثابت کر آیا ہوں۔ پس اگر خدا ایک ہے۔ اور اُس کی ذات صفات افعال اور عبادت و تعظیم میں دوئی کا خیال شرک ہے، تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ وہ بے احتیاج۔ نہ کسی کو اُس نے جنا۔ اور نہ کسی سے وُہ جنا گیا اور نہ کوئی اُس کا ہمسر ہے۔ انہی صفات کے معاملہ میں آکر آریہ سماج نے ٹھوکر کھائی اور خدا کو مادہ اور رُوح کا محتاج گردان کر اُن کو بھی خدا کے ساتھ شریک ٹھہرایا۔ عیسائیوں نے خدا کا بیٹا اور خدا کی ماں تسلیم کر کے شرک کی بُنیاد ڈالی۔ مجوسیوں نے ایزد کا اہرمن کو ہمسر قرار دے کر توحید کی جگہ تثنیہ بنا لیا۔ اس لیئے توحید کے لیئے ضروری ہے کہ خدا میں یہ چار صفات ضرور بالضرور تسلیم کی جائیں۔ کہ وُہ بے احتیاج ہے۔ نہ کسی نے اُس کو جنا۔ نہ کسی سے وُہ جنا گیا۔ نہ کوئی اُس کا ہمسر ہے۔ اور یہی اس سورت کا منشاء ہے۔ خدا کو احد پیش کر کے آریہ سماج عیسویت اور مجوسیت کو رد کر دیا۔

اب احد کے متعلق مزید تشریح کے لیئے ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہاں تو توحید کو ان لفظوں میں بیان فرمایا کہ ھو اللّٰہ احد۔ لیکن سورۂ حشر میں اسی مضمون کو یوں بیان فرمایا ھو اللّٰہ الذی لا الہ الا ھو۔ ان دونوں آیتوں کو ملانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ الذی لا الہ الا ھو میں احد کی ہی مزید تشریح مدنظر ہے۔ یعنے اللہ تعالےٰ وہ ذات یگانہ ہے بلحاظ اپنی ذات۔ صفات۔ افعال اور مستحق تعظیم و عبادت ہونے کے جس کے سوا کوئی معبود محبوب۔ مقصود و مطلوب۔ اور مطاع حقیقی نہیں۔ پس اسلام نے جو اپنی تعلیم کا نچوڑ لا الہ الا اللّٰہ کو رکھا ہے تو دراصل یہ مذکورہ بالا مفہوم کو ہی اپنے پیرو کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہے تا توحید کے کمال کو ایک مسلم حاصل کر سکے اور اپنے معبود و محبوب و مقصود و مطلوب و مطاع حقیقی خدا کے ساتھ نہ اس کی ذات میں شریک ٹھیراوے اور نہ اس کی صفات میں۔ نہ اسکے افعال میں شریک ٹھیراوے۔ اور نہ اس کی تعظیم و عبادت میں ان چاروں مراتب توحید کو میں ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔ کیونکہ توحید کامل کو تشریح کے لیئے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (۱) ذات میں توحید۔ (۲) صفات میں توحید۔ (۳) افعال میں توحید (۴) تعظیم و عبادت میں توحید۔ مذاہب باطلہ میں شرک ان ہی چار باتوں میں پایا جاتا ہے اس کی تفصیل مفصلہ ذیل ہے:۔

(۱) **ذات میں توحید۔** اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کی ذات میں کوئی شریک نہیں اسکے بالمقابل بعض مذاہب باطلہ ذات میں شریک ٹھیراتے ہیں۔ مثلاً مجوس کہ وہ دو خدا مانتے ہیں۔ ایک نیکی کا خدا جسے وہ ایزد کہتے ہیں اور ایک بدی کا خدا جسے وہ اہرمن کہتے ہیں۔ عیسائی کہ وہ تین خدا مانتے ہیں۔ باپ۔ بیٹا۔ روح القدس۔ تین برابر ایک کے اور ایک برابر تین کے نہ کسی کے سمجھ میں آیا نہ کبھی سمجھ میں آوے۔ کسی مشن کالج کا ذکر ہے۔ کہ بائیبل کے گھنٹے کے بعد ریاضی کا گھنٹہ تھا۔ بلیک بورڈ پر ایک ذہین لڑکا سوال حل کر رہا تھا۔ ایک رقم کو تین سے ضرب دینی تھی۔ اُس نے ضرب دے کر نیچے وہی رقم لکھدی جو اوپر لکھی ہوئی تھی۔ یعنی اسے سہ چند نہیں کیا۔ بلکہ من وعن وہی رقم لکھدی۔ اس پر ریاضی کا پروفیسر ناراض ہوا۔ کہ تم کیسے احمق ہو کہ ضرب تین سے دیتے ہو۔ اور نیچے وہی رقم لکھدیتے ہو۔ اُس

لڑکے نے فوراً جواب دیا۔ کہ میں ابھی بائیبل کے گھنٹے میں یہ پڑھتے چلا آرہا ہوں کہ تین برابر ایک کے اور ایک برابر تین کے۔ پس جب ایک اور تین برابر ہیں تو میں نے بجائے تین کے ایک سے ضرب دیدی۔ اس پر وہ پروفیسر شرمندہ ہوگیا اور کہنے لگا "بائیبل کا بات بائیبل کے گھنٹے میں۔ اور ریاضی کا بات ریاضی کے گھنٹے میں" یعنی ریاضی کے مسلمہ معقول مسئلوں پر تثلیث فی التوحید ٹھیر نہیں سکتی۔ اسی طرح آریہ سماج نے بھی خدا کے ساتھ مادہ اور روح دو شریک فی الذات مانے ہیں۔ جو خدا کی طرح قائم بالذات اور ازلی ابدی ہیں اور اسطرح وہ بھی تثلیث کے پیرو ہیں نہ کہ توحید کے۔ سناتن دھرم تو علاوہ تین بڑے دیوتاؤں برہما۔ وشنو اور شیو کے تینتیس کروڑ دیوتاؤں کے ماننے والے ہیں۔ اسلام ہی ہے جو لا الٰہ الا اللہ کہکر دُنیا کو بتلاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔

(۲) **صفات میں توحید**۔ اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کی صفات میں کوئی شریک نہیں۔ مثلاً خالق۔ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے ھل من خالق غیر اللہ۔ خدا کے سوا کون خالق ہے پس سوائے خدا کے کسی کو کسی چیز کا خالق ماننا شرک فی الصفات ہے۔ پھر قرآن کریم میں آیا ہے ربی الذی یحیی ویمیت۔ میرا رب وہ ہے۔ جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے عالم الغیب والشہادۃ خدا غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔ پس کسی نبی یا ولی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ مردے زندہ کیا کرتا تھا یا علم غیب رکھتا تھا۔ گویا صفات الٰہیہ میں شریک ٹھیرانا ہے یا حی وقیوم اور الآن کما کان جو خدا کی صفت ہے کہ اُس میں کوئی تغیر نہیں آتا۔ اس صفت کو کسی دُوسرے کی طرف منسوب کرنا شرک فی الصفات ہے۔ اسلام نے لا الٰہ الا اللہ کہہ کر یہ فیصلہ کردیا۔ کہ الوہیت کی صفات رکھنے والا کوئی نہیں سوائے اللہ کے۔

ممکن ہے کہ کسی شخص کے دِل میں یہ وساوس گذریں کہ خدا کی بعض صفات میں ہم بھی شرکت رکھتے ہیں۔ مثلاً وہ اگر دیکھتا ہے تو ہم بھی دیکھتے ہیں۔ اور وہ اگر سنتا ہے تو ہم بھی سنتے ہیں وہ اگر رحم کرتا ہے تو ہم بھی رحم کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور نیز یہ کہ خدا اپنی مرضی سے کسی کو اپنی صفت دیدیتا ہے۔ سو اسکا جواب مفصلہ ذیل ہے:۔

یہ سچ ہے کہ خدا بھی دیکھتا ہے اور انسان بھی۔ خدا بھی سنتا ہے اور انسان بھی۔ اور خدا

بھی بولتا ہے۔ اور انسان بھی۔ علیٰ ہذا القیاس صفات الٰہیہ میں سے ہر ایک کا پرتو انسان اپنے اندر رکھتا ہے۔ مگر باوجود اس کے خدا کی صفات سے اُسے کوئی نسبت نہیں۔ الوہیت اور بشریت کے درمیان لیس کمثلہ شیءٌ کی دیوار کھڑی ہے۔ یعنے کوئی چیز اس کے مثل نہیں۔ انسان کے دیکھنے اور سُننے کی خدا کے دیکھنے اور سننے سے کوئی مماثلت نہیں ہوسکتی۔ انسان کے دیکھنے کیلئے آنکھ اور روشنی کی ضرورت ہے۔ پھر جسے دیکھتا ہے اُس کا حدِ نگاہ کے اندر ہونا ضروری ہے۔ پھر درمیان میں حجاب بھی کوئی نہ ہو۔ پھر قوت بصارت ایک حد کے اندر محدود۔ مگر بالمقابل اسکے خدا کا دیکھنا کچھ اور ہی رنگت رکھتا ہے۔ نہ وہاں آنکھ کی ضرورت نہ روشنی کی حاجت۔ کوئی چیز کتنی ہی محجوب کیوں نہ ہو قریب ہو یا بعید۔ پوشیدہ ہو یا ظاہر وہاں سب کچھ یکساں ہے۔ جسے ہم حاضر و ناظر سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس بصیر انسان بھی ہے اور خدا بھی۔ مگر دونوں میں مماثلت قطعاً کوئی نہیں۔ ایک کو کان اور ہوا کی ضرورت۔ حدِ شنوائی کے اندر آواز کا ہونا ضروری۔ دوسرے کو کسی کان اور ہوا کی ضرورت نہیں۔ کوئی کہیں بھی ہو وہ اس کی آواز سنتا ہے پس جو کوئی انسان کو خدا کی طرح سمیع سمجھ کر پکارتا ہے وہ مشرک فی الصفات ہے۔ اسی طرح خلق کرنا کچھ تھوڑا بہت انسان بھی کیا کرتا ہے جسے ہم بنانے کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر ایک حد کے اندر یعنے ہاتھ پاؤں ہوں اوزار ہوں۔ مادہ ہو۔ تو وہ کچھ جوڑ جاڑ لیتا ہے۔ مگر خدا کا خلق کچھ اور ہی رنگت ہے۔ وہاں نہ ہاتھ پاؤں کی ضرورت نہ اوزار کی ضرورت نہ مادہ و رُوح کی ضرورت نہ خلق کی کوئی حد ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے خالق کل شیءٍ۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا۔ یخلق ما یشاء۔ جو چاہا پیدا کر لیا۔ اب دونوں کے خلق کو دیکھو کوئی مماثلت نہیں۔ انسان کی بنائی ہوئی چیزوں اور خدا کی بنائی ہوئی چیزوں میں جو فرق ہے۔ اس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ کیونکہ ہر ایک مانتا ہے اور جانتا ہے۔ خدا بھی پرندے بناتا ہے اور انسان بھی مصنوعی پرندے بناتا ہے جو کھلونوں کی دوکانوں پر بکتے ہیں ان دونوں خلق میں کوئی مماثلت نہیں۔ ایک جاندار دوسری بے جان مورت۔ ایک کچھ اور ہے دُوسرا کچھ اور ہے مگر اب کوئی کہے کہ نہیں انسان بھی ایسے ہی جاندار پرندے جیسے خدا نے بنائے ہیں بنا سکتا ہے تو یہ مماثلت ہو جائے گی اور شرک فی الصفات ہو جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم بھی فرماتا ہے:۔ ام جعلوا للہ شرکآء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیھم قل اللہ خالق کل شیءٍ وھو الواحد القہار

۳- توحید فی الصفات کا تقاضہ یہ ہے۔ کہ صفات میں مماثلت

*نہ مانی جائے۔ مثلاً کسی انسان کو خواہ وہ نبی ہو یا ولی ہو۔ خدا کی طرح دیکھنے والا یعنے حاضر و ناظر مانا جائے تو یہ شرک ہو جائے گا۔ اسی طرح سننا انسان بھی ہے۔ اور خدا بھی۔ مگر د

کیا یہ لوگ خدا کے ساتھ شریک ٹھیراتے ہیں۔ جنھوں نے پیدا کی مخلوق خدا کے پیدا کرنے کی مانند۔ پھر ان لوگوں پر دونوں مخلوق بوجہ مشابہت کے مشتبہ ہوگئی ہے۔ کہدے اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے اور وہ اکیلا اور غالب ہے۔ جب خدا اور انسان کے خلق میں مماثلت ہو جائے اور مخلوق میں بوجہ مشابہت کے امتیاز نہ باقی رہے تو پھر توحید کہاں رہی صاف شرک ہوگیا۔ پس انسان جو صفات [illegible] وہ گو صفات الٰہیہ کا پرتو ہوں مگر صفات الٰہیہ سے اس کو کوئی نسبت اور مماثلت نہیں۔ صفات الٰہیہ کے ساتھ کسی دوسرے کی صفات کو مماثلت دینا یعنے کسی صفت کو اسی رنگ میں غیر اللہ میں ماننا جس رنگ میں کہ وہ خدا میں موجود ہے۔ شرک فی الصفات ہے۔

دوسرا وسوسہ یہ تھا۔ کہ خدا اپنی مرضی سے کسی کو اپنی صفت دیدے۔ یہ خیال جیسا کچھ لغو ہے وُہ ظاہر ہے۔ مطلب یہ کہ خدا اپنی خدائی کو کسی وقت دوسرے کو دیدے اور اپنا شریک آپ پیدا کرلے۔ حالانکہ احد صفت کسی شریک کو دوامی یا عارضی کسی طور پر بھی قبول نہیں کرتی۔ وہ توحید جس کے لیئے خدا اپنے تمام نبیوں کو بھیجتا رہا ہے۔ وہ اس طرح گویا خدا کبھی خود بھی مٹا دیا کرتا ہے۔ اسلام جو خدا کی صفات کو ازلی و ابدی مانتا ہے ایسے خیال کو رد کر دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں خود اللہ تعالےٰ فرماتا ہے واللہ فضل بعضکم علی بعضٍ فی الرزق فما الذین فضلوا برآدّی رزقھم علیٰ ما ملکت ایمانھم فھم فیہ سواءٌ افبنعمة اللہ یجحدون۔ اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں فضیلت دی ہے۔ تو جن کو فضیلت دی گئی ہے وُہ اپنے حصّہ کو لوٹا کر اپنے نوکروں غلاموں کو نہیں دیدیا کرتے کہ سب روزی میں برابر ہو جائیں۔ پس کیا خدا کی نعمت کا انکار کرتے ہو۔ یعنے جب تم نہیں پسند کرتے کہ وہ چیزیں جن سے تمہاری فضیلت ہے۔ (حالانکہ وُہ فضیلت بھی خدا ہی کی دی ہوئی ہے کوئی تمہاری ذاتی نہیں) اپنے غلاموں کو دے کر اُن کو اپنے ساتھ مماثلت پیدا کرنے کا موقع دو۔ تو پھر خدا کے لیئے یہ کیوں روا رکھتے ہو۔ کہ وہ اپنی صفات کو جن سے الوہیت کی شان نظر آتی ہے بندے کو دے کر اسے اپنے ساتھ مثیل بنادے اور اس طرح اپنی الوہیت میں غیر کو شریک ٹھیراوے۔ اور الوہیت اور عبودیت کی حد فاصل کو توڑدے خدا کی نعمتوں کا انکار نہ کرو۔ دیکھو تو تمام نعمتیں خدا سے آتی ہیں۔ بندہ زیادہ سے زیادہ نعمتیں پہنچانے والا ہوتا ہے۔ دینے والا وہ آپ ہی ہوا کرتا ہے +

(۳) افعال میں توحید۔ اسلام کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ خدا کے فعلوں میں بھی کوئی شریک نہیں اس جگہ دھوکا یہ لگا کرتا ہے۔ کہ انسان اسباب کو خدا کے فعلوں میں شریک سمجھتا ہے مثلاً قرآن کریم میں ہے واذا مرضت فھو یشفین اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے۔ ھو یطعمنی ویسقین وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ ایک شخص دھوکا کھاتا ہے کہ شفا میں تو دوا اور طبیب کا بھی ہاتھ درمیان میں ہوتا ہے اور کھلانے اور پلانے میں تو افسر جس کی ملازمت کی جائے یا تجارت یا صنعت و حرفت اور خود انسان کی محنت سب درمیان میں ہوا کرتا ہے۔ مگر یہ غلطی ہے۔ در اصل یہ اسباب ہیں شفا کے اور رزق کے جنکا اصلی مسبب خدا تعالےٰ ہوتا ہے۔ یعنی اسی فاعل حقیقی کے افعال ہیں اور اسی کی مشیّت کے ماتحت چلتے ہیں۔ کسی کامیابی کی صورت دیکھنے کے لیئے ان تمام اسباب کا جمع کرنا اور ان سے خاطر خواہ نتیجہ نکالنا یہ سب خدا کے افعال ہیں۔ جن میں کوئی شریک نہیں۔ مثنوی مولینا روم کی ایک مثال سے یہ مسئلہ خوب سمجھ میں آجاتا ہے۔ ایک دفعہ کوئی شخص لکھ رہا تھا۔ کاغذ پر کچھ چیونٹیاں تھیں اُن میں آپس میں قیل و قال شروع ہوگئی ایک نے کہا دیکھو قلم کیا اچھا لکھ رہی ہے۔ دوسری نے کہا قلم نہیں لکھ رہی ہے۔ بلکہ انگلیاں لکھ رہی ہیں۔ تیسری نے کہا انگلیاں نہیں بلکہ ہاتھ لکھ رہا ہے چوتھی نے کہا ہاتھ نہیں بلکہ کلائی لکھ رہی ہے۔ پانچویں نے کہا کلائی نہیں بلکہ دماغ لکھ رہا ہے جسکے ارادہ کے ماتحت یہ تمام لکھنے کے سامان جمع ہوئے اور لکھنا شروع کیا گیا۔ پس خدا کے ارادہ کے ماتحت اسباب جمع ہوتے اور اُن سے نتیجہ نکلتا اور کل کارروائیاں ہوتی ہیں اور وہ افعال الٰہیہ کہلاتے ہیں اور اُن میں کسی کی شرکت نہیں ہوتی جنھیں تم شریک سمجھتے ہو وہ در اصل کلائی اور ہاتھ اور قلم کی طرح اوزار ہیں جو محض مشیّت الٰہی کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ پس خدا کے ساتھ کسی اور کو شافی اور رزّاق سمجھنا شرک ہے۔ توحید فی الافعال سے اسباب پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ انسان کو ایک حد تک بیشک وسعت اور مقدرت دی گئی ہے۔ اور یہ بھی مشیّت الٰہی کے ماتحت دیگئی ہے۔ اور جتنی وسعت دی گئی ہے اتنا ہی وہ مکلّف ہے جیسا کہ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا سے ظاہر ہے۔ پس اپنی وُسعت کے مطابق اسباب سے کام لینا عین منشائے الٰہی ہے۔ اور اس کے فضل کے دروازے کو کھٹکھٹانا ہے۔ اسباب سے

کام لینا در اصل خدا کے فضل کو تلاش کرنا ہے کہ کس راہ سے آتا ہے۔ ہاں اسباب کو فاعل حقیقی سمجھنا اور اُن پر بھروسہ کرنا شرک فی الافعال ہے۔ اسباب سے کام لو۔ مگر بھروسہ خدا پر کرو۔ اور فاعل حقیقی خدا کو ہی سمجھو۔ اسی لیئے اسلام نے لا الٰہ الا اللہ میں یہ سمجھایا۔ کہ کوئی ذات تصرف کامل اور تام رکھنے والی نہیں۔ سوائے اللہ کے (الٰہ کے معنے متصرف کامل کے بھی ہیں)۔ اسی طرح کسی چیز کو خدا کے سوا نفع اور نقصان دینے والی اپنی ذات میں سمجھنا یہ بھی شرک فی الافعال ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ فلا تخشوہن واخشونی پس کسی سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ کیونکہ منبع تمام فیوض کا میں ہوں اور ہر ایک نقصان جو پہنچتا ہے وہ میرے اذن کے بغیر نہیں پہنچتا پس خدا کے مقابلہ میں قوم۔ برادری۔ بیوی۔ دنیوی عزت و وجاہت۔ اولاد۔ مال۔ خواہشات نفسانی کو مقدم کرنا یہ تمام شرک فی الافعال کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں نفع و نقصان دینے والی خدا کے سوا یہ چیزیں سمجھی جاتی ہیں۔ حالانکہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ وان یمسسك اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردك بخیر فلا راد لفضلہ۔ اور اگر اللہ تجھے کوئی نقصان پہنچائے تو اُسی کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر وہ تجھے فائدہ پہنچانا چاہے تو کوئی اُس کے فضل کو رد کرنے والا نہیں۔ اسی طرح حرام اور حلال ٹھیرانا یہ خدا کا فعل ہے۔ چنانچہ جو اپنی مرضی سے حرام حلال ٹھیراتا ہے وہ اپنے تئیں خدا کے فعلوں میں شریک ٹھیراتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں جب یہ آیت یہود کی نسبت نازل ہوئی۔ کہ اتخذوا احبارھم و رھبانھم ارباباً من دون اللہ۔ کہ اپنے علماء اور مشائخ کو خدا کے سوا رب پکڑتے ہیں۔ تو یہود نے کہا ہم تو رب نہیں مانتے۔ اس پر رسول کریم صلعم نے فرمایا کیا تم اپنے علماء اور مشائخ کے حلال کردہ اور حرام کردہ چیزوں کی تقلید نہیں کرتے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہاں۔ فرمایا یہی رب پکڑنا ہے کیونکہ کسی چیز کا حلال کرنا یا حرام کرنا یہ خدا کا فعل ہے۔ اور علماء اور مشائخ کے اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کر دینے پر اس کی تقلید کرنا یہی شرک ہے +

(۴) تعظیم و عبادت میں توحید۔ اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کی عبادت اور تعظیم میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ نہ نفس کو اور نہ مخلوق کو غیر اللہ میں دو ہی چیزیں ہیں مخلوق اور نفس پس خدا کی عبادت اور تعظیم میں ان دونوں میں سے کوئی بھی شریک نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا ولا یشرك

بعبادۃ ربہ احداً یعنے خدا کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ پھر فرمایا افرئیت من اتخذ الٰھہ ھوٰہ واضلہ اللہ علی علم الخ یعنے کیا دیکھا تو نے اس شخص کو جس نے اپنے نفس اور اُسکی خواہشات کو معبود بنایا اور خدا نے باوجود اُس کے علم کے اُسے گمراہ قرار دیا الخ۔ یہاں صاف بتایا خواہ کتنا ہی عالم ہو۔ اگر نفس اور اُس کی خواہشات کو معبود بناتا ہے وہ گمراہ ہے۔ پس مخلوق اور نفس کو ہرگز خدا کے ساتھ معبود نہ بنایا جائے۔ چنانچہ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔ لاشریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین۔ کہدے بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے کوئی اُس کا شریک نہیں اور میں اسی بات کے لیئے حکم کیا گیا ہوں اور میں سب سے بڑھ کر کامل اور سب سے پہلے خود فرمانبرداری کرنے والا ہوں۔ اس میں چار باتیں بتائی ہیں :-

(ا) میری نماز اور دعا اللہ کے لیئے ہے۔ یعنے میرا کوئی معبود سوائے اللہ کے نہیں جو لا الہ الا اللہ کا مقصد ہے۔ یعنے میں سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہیں کرتا اور نہ کسی سے دُعا مانگتا ہوں اور نہ مدد چاہتا ہوں۔ اس سے تمام بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی پوجاؤں اور درختوں اور خانقاہوں اور قبروں اور تعزیوں اور ولیوں اور نبیوں سے استمداد اور دُعا کا خاتمہ ہوگیا۔ اور نیز ریاکاری جڑ سے اکھڑ گئی۔ کیونکہ ریا میں خدا کے ساتھ دوسرے لوگوں کو شامل کیا جاتا ہے۔ اُس وقت عبادت کا مقصد محض خدا نہیں ہوتا بلکہ کسی دُوسرے انسان کو دکھانا بھی منظور ہوتا ہے اور اس طرح یہ شرک فی العبادۃ ہوتا ہے۔

(ب) میری عبادتیں اور قربانیاں اللہ کے لیئے ہیں۔ اس سے تمام نذر و نیاز بھینٹ اور قربانیوں کا جو بتوں یا دیوتاؤں یا پیروں یا ولیوں یا شہداء کے نام پر دیجاتی یا خانقاہوں اور قبروں اور بتوں اور درختوں پر چڑھائی جاتی ہیں۔ خاتمہ ہوگیا۔ غرضکہ غیر اللہ کے نام کی تمام نیازیں حلوے مالیدے گھنگھنیاں سب پر جھاڑو پھر گیا۔ اور قربانی کے اندر جہاں خدا کے سامنے تمام غیر اللہ کی نفی کردی۔ وہاں اپنے نفس پر بھی چھری پھیر دی۔ کیونکہ قربانی تو جبھی کامل ہوسکتی ہے۔ جب سب کچھ قربان کردیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ قربانی جب تک محبت نہ ہو نہیں ہوسکتی۔ اور جس قدر محبت زیادہ ہوگی اُتنا ہی قربانی کا دائرہ وسیع ہوجائے گا۔ دُنیا میں محبت کے مختلف مراتب ہیں

ادنیٰ محبت کو اعلیٰ پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ مال سے بھی محبت ہوتی ہے۔ جان سے بھی۔ عزت سے بھی مگر محبت کے مراتب کے مطابق قربانیاں ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ مال جان پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ اور جان عزت پر۔ قرآن کریم میں فرمایا امنوا اشد حباللہ یعنے مومن کی سب سے زیادہ شدید محبت اللہ ہی سے ہوتی ہے۔ محبت تو دُنیا میں فطرتی طور پر علیٰ قدر مراتب سب سے ہوتی ہے۔ یہ منع نہیں مگر سب سے زیادہ شدید محبت اللہ ہی سے ہونی چاہیئے۔ تاکہ وقت پر جو سب سے زیادہ محبُوب ہے اُس کے لیئے انسان دُوسری تمام چیزوں کی جو اس سے ادنےٰ درجہ محبت کا رکھتی ہیں قربان کرنے میں دریغ نہ کرے۔ پس فرمایا کہ میری تمام قربانیاں اللہ کے لیئے ہیں یعنے محبت الٰہی میں اسقدر مٹا ہوا ہوں۔ کہ سب کچھ ہی اُس کے لیئے قربان کر دیا ہے۔ کیا مخلوق اور کیا نفس سب کچھ قربان ہے۔ مخلوق کی قربانی میں جہاں مال و دولت عزت۔ قوم برادری وطن۔ اہل و عیال۔ حکومت۔ سلطنت سب کچھ قربان ہو گیا۔ وہاں نفس کی قربانی میں اپنی جان اور تمام خواہشات نفسانی اور سب سے بڑھ کر کبر پر چھری پھر گئی۔ کیونکہ کبر بھی نفس کی پرستش ہوا کرتی ہے۔ پس اس بات سے کہ تمام قربانیاں اللہ کے لیئے ہیں۔ یہ نتیجہ نکلا۔ کہ سب سے بڑھ کر **محبُوب** اللہ ہے جو لا الہ الا اللہ کا مقصُود ہے +

(ج) میرا جینا اللہ کے لیئے ہے۔ یعنے میں تو خدا کے لیئے جیتا ہوں۔ یعنے میری تمام زندگی کا **مقصود و مطلوب** نہ مال ہے نہ اولاد۔ نہ حکومت ہے نہ سلطنت۔ نہ عزت ہے نہ وجاہت۔ نہ عیش ہے نہ لذت۔ بلکہ صرف خدا اور یہی لا الہ الا اللہ کا مفہوم ہے۔

(د) اور میرا مرنا اللہ کے لیئے ہے۔ یعنی میں خدا کی فرمانبرداری میں یہاں تک مٹا ہوا ہوں کہ اُسکی اطاعت کے لیئے جان تک دینے میں دریغ نہیں اور اسی پر میرا خاتمہ ہوگا۔ اور میں اپنی تمام خواہشوں کو اور تمام ارادوں کو اُس کے لیئے فنا کر چکا ہوں اور موتوا قبل انت موتوا کا مصداق ہوں۔ اور خدا کے ہاتھ میں بیجان کی طرح ہوں۔ پس میرا **مطاع** سوائے اللہ کے کوئی نہیں۔ اور اس کی فرمانبرداری کو یہاں تک کمال پر پہنچا چکا ہوں۔ اور اپنے تمام ارادوں اور خواہشات کو اُسکی فرمانبرداری کے لیئے یہاں تک کھو چکا ہوں۔ کہ گویا میں اُس کے لیئے مر گیا ہوں۔ اور میں مثل ایک بے جان آلہ کے خدا کے ہاتھ میں ہوں جس طرح چاہے کام لے اور یہی لا الہ الا اللہ کا مطلب ہے۔ ان تمام مذکورہ بالا باتوں سے یہ ثابت ہوا کہ لا الہ الا اللہ جو توحید کا لب لباب ہے۔ اس کے معنے یہ ہوئے

کہ کوئی خدا یا کسی صفت الوہیت سے موصوف یا متصرف کامل یا معبود و محبوب و مطلوب و مقصود و مطاع نہیں سوا اللہ کے۔ مگر یاد رہے جب تک عقیدہ اور ایمان کے ساتھ عمل نہ ہو وہ کچھ بھی نہیں کیا اس بات کو صرف مان لینے سے کہ روٹی سے پیٹ بھرتا ہے یا پانی سے پیاس بجھتی ہے۔ کسی کا پیٹ بھر جایا کرتا ہے یا پیاس بجھ جایا کرتی ہے؟ ہرگز نہیں تو پس توحید کے محض مان لینے سے کچھ فائدہ نہیں۔ جب تک اُس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ چنانچہ اسی لیئے قرآن کریم میں لاشریک له وبذالك امرت کے ساتھ وانا اوّل المسلمین فرمایا۔ یعنے خدا کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ اور اسی کے لیئے میں حکم دیا گیا اور امور کیا گیا ہوں۔ اور میں سب سے پہلے خود کامل طور پر فرمانبرداری کرنے والا ہوں۔ یعنے توحید پر میرا پورا پورا عملدرآمد ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے اپنے عمل سے یہ سب کچھ ثابت کیا۔ خود بھی محض خدا کی عبادت کی اور اُسی کی عبادت کو دُنیا میں اپنے نمونہ سے قایم کیا۔ اور تمام معبودان باطلہ کا قلع قمع کر دیا اور خدا کے لیئے وہ قربانی کی جس کی مثل دُنیا نہیں پیش کر سکتی۔ خدا کی محبت میں وطن خویش و اقارب سب کچھ چھوڑا۔ کفار مکہ مال و دولت عزّت سلطنت۔ خوبصورت بی بیاں سب ہی کچھ تو پیش کرتے تھے۔ تا آپ توحید کی تبلیغ سے باز آجائیں مگر آپ نے کسی کی طرف بھی التفات نہ کیا۔ اور خدا کی خاطر سب پر چھری پھیر دی۔ ہر قسم کے دُکھ اور تکلیفیں اور سختیاں محض خدا کی خاطر برداشت کیں۔ اور جان کو معرض خطر میں ڈالا۔ اور دُنیا کو دکھا دیا۔ کہ اس طرح خدا کو محبوب بنایا کرتے ہیں۔ پھر آپ کی تمام زندگی کا مقصود و مطلوب دیکھ لو۔ خدا ہی تھا۔ سوا خدا کے نام کی تسبیح و تقدیس اور اسی کی بڑائی ظاہر کرنے کے آپ کو کوئی کام نہ تھا۔ جس پر آج تک اذان پانچ وقت شہادت دیتی ہے۔ پھر آپ خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری میں یہاں تک فنا ہوئے ہوئے تھے۔ کہ ماینطق عن الھوٰے ان ھوالا وحی یوحیٰ۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ کا خطاب بارگاہ احدیت سے مل گیا۔ یعنے آپ کا قول و فعل سب کا سب خدا ہی کے ارادہ اور منشاء کے ماتحت اور مطابق تھا۔ پس صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ گویا لا الہ الا اللہ کی عملی صورت ہے۔ جو لا الہ الا اللہ کو مان کر اس پر عمل کرنا چاہتا ہے وہ اسطرح عمل کرے۔ جس طرح پر آنحضرت صلعم نے عمل کیا یعنے عمل سے خدا ہی کو اپنا معبود و محبوب و مطلوب و مقصود و مطاع بناوے جس طرح آپ نے بنایا۔ چنانچہ آپ کی نسبت خود خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اور بے شک تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔ کسی بات پر عمل کرنے کے لیئے نمونہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک نمونہ سامنے نہ ہو عمل ٹھیک ٹھیک ہونا ناممکن ہوا کرتا ہے۔ آنکھ بنانا علم جراحی کی کتابوں میں لکھا ہے۔ مگر جب تک کسی کو بناتے ہوئے نہ دیکھے آنکھ بنانی نہیں آتی۔ اسی طرح تمام کاموں کا حال ہے نمونہ کے بغیر کسی کام کا ٹھیک ٹھیک کر لینا ناممکن امر ہے۔ اس لیئے توحید پر عمل کرنے کے لیئے نمونہ اللہ تعالےٰ نے رسول کو پیش کیا۔ کہ آپ توحید کا کامل و مکمل عملی نمونہ ہیں۔ اور ایسا نمونہ جو خدا کو نہایت محبوب ہے چنانچہ فرمایا کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ کہدے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ میرے نمونہ پر چلو۔ خدا کے محبوب بن جاؤ گے۔ پس رسول کو بہترین اور محبوب ترین نمونہ بنا کر پھر نمونہ کو آپ کی ذات سے مخصوص کرنے کے لیئے قرآن کریم میں محمد رسول اللہ فرمایا۔ (صلے اللہ علیہ وسلم) کہ وہ رسول جس کا نمونہ ہمیں پسند اور پیارا ہے وہ محمد ہے صلعم۔ پس توحید کی پوری تعریف یوں ہوئی۔ کہ کوئی خدا یا کسی صفت الوہیت سے موصوف یا متصرف کامل یا معبود و محبوب و مطلوب و مقصود و مطاع نہیں سوا اللہ کے۔ کیا بلحاظ عقیدہ کے اور کیا بلحاظ عمل کے جس کے لیئے بہترین و محبوب ترین نمونہ محمد رسول اللہ صلعم ہے۔ اس کا عربی زبان میں ترجمہ یوں ہوا۔ کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم)

توحید پر دلائل۔ دو قسم ہیں۔ ایک عقلی دوسرے الہامی۔ (۱) عقلی دلیل۔ یہ صدہا ہیں۔ مگر اختصار کے لئے ان میں سے میں ایک پر یہاں اکتفا کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ تمام کارخانہ عالم کو دیکھ کر یہ پتہ لگتا ہے۔ کہ اس کا بنانے والا اور تمام نظام کو ایسی ترتیب اور عمدگی کے ساتھ چلانے والا اور تمام قوانین قدرت کا مقنن ایک ہی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم بھی فرماتا ہے۔ لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا اگر آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو آسمانوں اور زمین میں فساد لازم آتا اور دونو تباہ ہو گئے ہوتے۔ اس تمام کائنات کا صحیح نظام اور ایک ہی قسم کے قوانین کے اندر مقید ہونا خواہ حجم اور مکان میں کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو۔ ثابت کرتا ہے۔ کہ ایک ہی مقنن اور ایک ہی حکمران اور ایک ہی بنانے والا ہے کیونکہ ایک سے زیادہ ہونے میں اختلاف قوانین ہوتا۔ اور قوانین کے اختلاف سے نظام عالم کبھی

برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کی تفصیل تو ایک کتاب چاہتی ہے۔ مگر میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ عاقل کو اشارہ کافی ہے۔ ایک دفعہ ایک عیسائی پادری نے بھی لکھا تھا۔ کہ قیامت میں ایسی قوموں سے جہاں تبلیغ نہیں پہنچی۔ اگر کوئی سوال ہوگا تو وہ توحید کے متعلق ہوگا۔ کیونکہ قوانین قدرت اور نظام عالم توحید ہی کی تائید کرتا ہے۔ پس ہمیں تثلیث کی بہت تبلیغ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ عقل اس کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے وہ قومیں جن تک یہ نہیں پہنچا باز پرس کے پنجے نہیں آسکتیں۔ یہ ہے پادری صاحب کی اقبالی ڈگری۔ جو انھوں نے توحید کو اپنے ہاتھ سے دی۔ اور ثابت کیا کہ توحید نظام عالم سے ثابت اور عین عقل کے مطابق ہے الہامی دلیل۔ دنیا کے تمام نبی خواہ وہ کسی ملک یا کسی زمانہ میں ہوئے توحید کا ہی وعظ کرتے رہے۔ اور یہی اُن کا مقصد رسالت رہا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم اس سے بھرا پڑا ہے۔ مگر ان سب میں محمد رسول اللہ صلعم ایسا عظیم الشان نبی اور رسول آیا جس نے نہ صرف اپنے الہام اور وعظ سے ثابت کیا۔ کہ توحید حق ہے۔ بلکہ آپ کی زندگی اور سوانح عمری ہمیشہ کے لیئے توحید پر دلیل قائم کر گئی۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم کی بعثت ہوئی۔ اُس وقت دنیا شرک میں مستغرق تھی جیسا ظھر الفساد فی البر والبحر سے ظاہر ہے کہ خشکی و تری سب بگڑ چکی تھی۔ اور ہر طرف معبودان باطلہ کی پرستش ہو رہی تھی۔ کہیں لات و منات عزیٰ و ہبل کی پوجا ہو رہی تھی تو کہیں کہیں قبیلہ قبیلہ کے بت جدا تھے۔ کہیں مسیح کی پرستش ہو رہی تھی تو کہیں علماء اور مشائخ کو معبود بنایا ہوا تھا۔ کہیں عناصر پرستی تھی تو کہیں اسباب پرستی۔ کہیں دنیا پرستی تھی تو کہیں نفس پرستی۔ غرض کہ کوئی چیز نہ تھی جو شریک خدا نہ ٹھیرائی گئی ہو۔ کواکب عناصر۔ بُت ٹھاکر۔ دیوی دیوتا۔ فرشتے۔ اولیاء۔ انبیاء۔ علماء۔ مشائخ۔ دُنیا و اسباب دنیوی مال۔ اولاد۔ قوم۔ جماعت جتھا۔ قوت۔ حکومت۔ سلطنت۔ نفس و خواہشات نفسانی وغیرہ یہ تمام بُت تھے۔ جن کی پرستش ہو رہی۔ آپ نے آکر ان تمام بتوں کو دور کرنا چاہا اور ایک خدا کی پرستش کا وعظ کیا۔ اس پر ان بتوں کے پجاریوں میں کھلبلی پڑ گئی۔ پہلے تو انھوں نے لالچ دے کر چاہا۔ کہ آپ کو تبلیغ حق سے روک دیں۔ مگر جب اس میں اُنھیں کامیابی مطلق نہ ہوئی تو پھر مخالفت کرنی شروع کی اور چاہا کہ اپنے بتوں کے زور سے آپ کو نیست و نابود

کردیں۔ کسی نے بتوں کے آگے دُعائیں کیں۔ کسی نے ناک رگڑی۔ کسی نے چلے کھینچے۔ کسی نے ٹونے ٹوٹکے اور جادو سے کام لیا۔ کسی نے علماء و مشائخ کو آگے کیا۔ بتوں نے قوت و دولت و جماعت و حکومت کے بتوں سے استمداد چاہی۔ اور اس طرح اپنے تمام بتوں سمیت رسول اللہ صلعم کے مقابل اکھاڑہ جمایا۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عبدون ما اعبد ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عبدون ما اعبد لکم دینکم ولی دین۔ کہدے۔ اے وہ جو انکار کر رہے ہو جن کی تم عبادت کر رہے ہو اُنکی میں عبادت نہیں کرتا۔ اور جس کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی تم عبادت نہیں کرتے۔ اور جنکی تم عبادت کر رہے ہو ان کی میں ہرگز عبادت نہیں کرنے لگا۔ اور جس کی میں عبادت کرتا ہوں معلوم ہوتا ہے اس کی تم عبادت نہیں کرنے لگے۔ پس اب انجام کو دیکھو کہ ہم دونوں کو کیا بدلہ ملتا ہے کیونکہ تمہیں اپنے کیئے کا بدلہ ملے گا اور مجھے اپنے کیئے کا بدلہ۔ دیکھو کہ کون کامیاب ہوتا ہے کس کا معبود سچا قادر ثابت ہوتا ہے اور کس کے معبود جھوٹے اور عاجز ثابت ہوتے گویا پرستاروں کی فوج لڑے گی اور معبودوں میں سے جو سچا اور قادر اور مالک الملک ہے اُسی کی فتح ہوگی اور اسی کی قدرت کا ظہور ہوگا۔ پھر اس لڑائی کا انجام بتلایا۔ کہ قل جاء الحق وزھق الباطل انا الباطل کان زھوقا۔ کہدے حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔ بے شک باطل بھاگنے والا تھا۔ صاف فرمادیا کہ حق آگیا اور اب باطل بھاگ جائیگا حق کی پرستش ہوگی اور معبودان باطلہ مٹائے جائیں گے۔ اب کیا ہوتا ہے؟ سخت مقابلہ ہوتا ہے۔ رسول کریم صلعم کو اور آپ کے صحابہ کو دکھ دیا جاتا ہے ستایا جاتا ہے۔ وطن سے نکالا جاتا ہے۔ قتل کی تدبیریں ہوتی ہیں۔ اور دنیا میں جس قدر تدبیریں قتل کی ہوسکتی ہیں وہ سب کی سب رسول کریم صلعم کے قتل کرنے کے لیئے کام میں لائی جاتی ہیں۔ تنہائی میں قتل کر دینا۔ سوتے میں قتل کر دینا۔ سجدے میں قتل کر دینا۔ دھوکا دے کر قتل کر دینا۔ بلوہ کر کے قتل کر دینا جنگ میں قتل کر دینا۔ گلا گھونٹ کر قتل کر دینا۔ زہر دے کر قتل کر دینا یہ تمام صورتیں قتل کی آپ کے ساتھ برتی گئیں۔ مگر آپ کو اللہ تعالےٰ نے واللہ یعصمک من الناس کے وعدے کے مطابق محفوظ رکھا۔ مخالفوں نے آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اس پر بھی صبر نہ آیا تو مدینہ

جہاں آپ تشریف رکھتے تھے اس پر چڑھائی کر دی۔ پھر جنگوں کی نازک حالت کا نقشہ اس سے ذہن میں آسکتا ہے کہ قریش دشمن۔ عرب کے تمام قبائل دشمن۔ قیصر و کسریٰ دشمن۔ اور دیگر تمام حکمران جو ارد گرد تھے سب کے سب دشمن۔ خاص شہر کے اندر یہود و نصاریٰ دشمن۔ اوس و خزرج کے قبائل دشمن مُٹھی بھر مسلمان اور اندر باہر سارا زمانہ دشمن۔ یہ نازک حالت اور معدودے چند مُسلمان۔ اور پھر تحدی یہ کہ اعلموا علیٰ مکانتکم انی عامل۔ فسوف تعلمون اپنی جگہ اپنے مقدور بھر پُورا زور لگا لو۔ میں بھی اپنا کام کر رہا ہوں۔ پس عنقریب پتہ لگ جائیگا۔ پھر فرمایا انی اشھد اللہ وا شھدوا انی بریٔ مما تشرکون من دونہ فکیدونی جمیعاً ثم لا تنظرون۔ میں خدا کو گواہ ٹھیراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو بے شک میں بیزار ہوں اُن سے جنھیں تم خدا کے سوا شریک ٹھیراتے ہو۔ پس میرے مقابل میں تم اور تمہارے معبود سب کے سب مل کر تدبیریں کر لو اور زور لگا لو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔ پھر فرمایا قل لو کان معہ الٰھۃ کما یقولون اذا لابتغوا الیٰ ذی العرش سبیلا کہدے اگر خدا کے ساتھ کوئی اور معبُود بھی ہے۔ جیساکہ یہ لوگ کہتے ہیں۔ تب تو میرے مخالفوں کے لیئے کامیاب ہونے کے لیئے راہ آسان ہے۔ کیونکہ پھر ان کے معبُودانِ باطلہ خدا کے پاس پہنچ کر فیصلہ اپنے پرستاروں کے حق میں کروالیں گے۔ غرضکہ ان تحدیوں نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ اور حق اور باطل میں عجب گھمسان کا رن پڑا۔ باطل نے اپنی تمام قوت لگادی کہ حق کا مقابلہ کرے۔ مگر وہ تو ازل سے مقدر ہوچکا تھا۔ کہ حق غالب ہو اور باطل پاش پاش ہو پس وہ دیکھو خدا کا پہلوان سر پہ کامیابی کا تاج رکھے آتا ہے۔ فتح و ظفر قدموں پہ لوٹ رہی ہیں نصرت و تائیدات الٰہیہ جلو میں ہیں۔ اقبال پیچھے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ افضال الٰہیہ پھول برساتے آتے ہیں۔ ہاں وہ آتا ہے اور خدا کا گھر بتوں سے پاک کرتا ہے نہ صرف کعبہ۔ بلکہ ہر ایک کعبۂ دل جس کی نسبت حدیث قدسی وارد ہے۔ کہ میں آسمان و زمین میں نہیں سماتا۔ مگر مومن کے دل میں سماجاتا ہوں۔ بتوں سے پاک کیا جاتا ہے۔ تمام بُت توڑے جاتے ہیں۔ اور ایک خدا کی تعظیم و عبادت قایم کی جاتی ہے۔ یہی ہے وہ خدا کا پہلوان جس کا ترانہ داؤدنے اپنی زبور میں گایا ؎

پہلوانِ حضرتِ ربِّ جلیل	بر میاں بستہ زِ شوکت خنجرے
تیرِ او تیزی بہر میداں نمود	تیغِ او ہر جا نمودہ جوہرے

کرد ثابت بر جہاں عجزِ بتاں	وانمودہ زورِ آں یک قادرے
تا نماند بے خبر از زورِ حق	بت ستا و بت پرست و بت گرے

الغرض حضرت نبی کریم صلعم نے تمام معبودانِ باطلہ اور ان کے پرستاروں کا مقابلہ کرکے اور کامیاب ہو کے لمن الملک الیوم ۔ للہ الواحد القہار کا نقشہ دُنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ یعنے مظفر و منصور ہو کر اُس دن دنیا پر ثابت کر دیا کہ دیکھو آج خداوند کی بادشاہت ظاہر ہوئی جو اکیلا اور سب پر غالب ہے۔ یہ وہی بادشاہت ہے جس کے نزدیک آنے کی مسیح نے منادی کی اور فاران سے جلوہ گر ہونے کی موسےٰ نے بشارت دی۔ پس رسول کریم صلعم کی رسالت نے تمام معبودان باطلہ کا قلع قمع کرکے توحید پر ہمیشہ کے لیئے دلیل قایم کر دی اس لیئے لا الہ الا اللہ اگر توحید کا دعوےٰ ہے۔ تو اس کے ساتھ محمد رسول اللہ توحید پر دلیل قطعی ہے۔

حفاظت توحید کے ذرائع۔ (۱) **کلمہ طیبہ** اشھد ان لا الہ الا اللہ میں اگر توحید ہے تو اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ توحید کی حفاظت کے لیئے ساتھ موجود ہے۔ جاننا چاہیئے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ۔ بے شک ہم نے انسان کو عمدہ سے عمدہ پیمانہ پر پیدا کیا ہے۔ پھر فرمایا وفضلکم علی العلمین۔ اُس نے تمام دُنیا جہان اور عالموں پر تمھیں فضیلت دی ہے۔ آدم کی فرمانبرداری کے لیئے فرشتوں کو حکم دے کر فرشتوں پر بھی فضیلت صاف طور پر بیان فرما دی۔ اس کے بعد انسانوں میں نبیوں کے گروہ کو خاص طور پر ممتاز فرمایا۔ چنانچہ فرماتا ہے ان اللہ اصطفیٰ ادم ونوحًا وال ابراھیم وال عمران علی العلمین بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی آل اور عمران کی آل کو دُنیا جہانوں پر فضیلت دی۔ ان برگزیدوں اور رسولوں میں پھر بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض۔ یعنے ان رسولوں میں بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان رسولوں میں پھر جناب محمد رسول اللہ صلعم کو سب پر فضیلت دی۔ چنانچہ خاتم النبیین فرما کر یہ بتلایا کہ تمام کمالات نبوت آپ پر ختم ہو گئے اور آپ کی نبوت کا دامن قیامت تک وسیع ہے۔ اور نبوت کے گویا آپ ایسے حقیقی وارث ہوئے کہ اب جسے بھی اس کمال سے حصہ لینا ہو اُس کو آپ کی غلامی کے سواء اور کوئی چارہ نہیں۔ اور

آپ کی غلامی سے الگ ہو کے اس میں سے حصہ کسی کو نہیں مل سکتا۔ اور آپ کی شریعت کا حلقہ کسی کے کان سے نہیں نکل سکتا ؎

ختم شد بر ذات پاکش ہر کمال — لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے
آں خداوندش بداد آں شرع ویں — کاں نگردد تا ابد متغیرے

پس نبیوں میں سب پر فضیلت ہونے کی وجہ سے یہ ثابت ہو گیا۔ کہ آپ کل مخلوقات میں سب سے افضل اور برتر ہیں۔ پھر جب آپ کو خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں عبدہ فرما کر دنیا کو بتلایا کہ باوجود خیر خلق ہونے کے یہ ہمارا بندہ ہی ہے۔ اور اس سے زیادہ نہیں تو اس سے ثابت ہو گیا۔ کہ پھر کوئی اور خدا کا شریک نہیں ہو سکتا۔ جب بہترین خلائق خدائی میں شریک نہ ہو سکا اور بندہ ہی رہا تو کسی اور کا ذکر ہی کیا ہے۔ اسی وجہ سے اشہد ان لا الہ الا اللہ کے ساتھ اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ لازم طور پر رکھا جس سے ہمیشہ قلب پر یہ اثر ہوتا رہے۔ کہ جب محمدؐ جو بہترین خلائق ہے بندہ ہے تو کسی اور مخلوق کو کب شرکت خدائی میں ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح دنیا کے لوگوں کا یہ قاعدہ بھی توڑا گیا جو وہ اکثر بانی مذہب کو ہی خدا بنا لیا کرتے تھے۔ مثلاً کرشن اور رامچندر اور بدھ اور مسیح وغیرہ کو خدائی کے تخت پر بٹھایا گیا۔ اس لیئے ہمیشہ کے لیئے بانی اسلام کو عبدہ و رسولہ کے لقب سے یاد کرتے رہنا ضروری قرار دیا گیا۔ تا یہ شرک کبھی راہ نہ پاوے۔ کیونکہ جب پہلے لوگ مثلاً مسیح وغیرہ جن کی رسالت کچھ زیادہ نمایاں بھی نہ تھی۔ خدا بن گئے۔ تو آنحضرت صلعم کی نسبت جن کی رسالت نے تمام معبودان باطلہ کا خاتمہ کر دیا اور اُن کے مقابلے میں بیّن طور پر مظفر و منصور ہوئی۔ الوہیت کے خیالات کا راہ پا جانا بالکل فطرتی امر تھا۔ پس عبدہ و رسولہ کا کلمہ آپ کے نام کے ساتھ لگانا اور اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ کو اشہد ان لا الہ الا اللہ کے ساتھ بطور اُس کے ایک جزو کے رکھنا حفاظت توحید کے لیئے تھا تا کہ انسان توحید پر قائم رہے۔ اور کبھی شرک میں مبتلا نہ ہو سکے۔

(۲) قرآن کریم بھی حفاظت توحید کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ قرآن کی نسبت فرمایا یبین اللہ لکم ان تضلوا۔ تمہارے لیئے اللہ کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہو۔ وہ کیا ہے جسے کھول کر بیان کرتا ہے وہ توحید ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ۔ انما الٰھکم اللہ واحد کہدے بے شک میں تمہارے جیسا ہی انسان ہوں۔ میری طرف وحی کیجاتی ہے کہ بے شک تمہارا

خدا ایک ہی خدا ہے۔ پھر خود قرآن کریم کے صحیح و سالم اور محفوظ رہنے کے لیئے یہ تسلی دی کہ میں خود اس کا محافظ ہوں۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون بے شک ہمنے ہی اس ذکر کو نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ جس کی واقعات زمانہ بڑی زور سے شہادت دے رہے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن کریم کا مقصد توحید کا کھول کھول کر بیان کرنا ہے تا انسان گمراہ نہ ہو اور توحید سے نہ بھٹک جائے۔ اور قرآن ہر زمانہ میں محفوظ ہے اس لیئے توحید بھی اس کے ذریعہ محفوظ ہے +

(۳) خلفا بھی حفاظت توحید کے لیئے آتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفسقون۔ یعنے وعدہ کرتا ہے اللہ اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیئے۔ کہ ضرور وہ اُن کو خلیفہ بنائے گا زمین میں جیسے خلیفے بنائے اُن لوگوں کو جو ان سے پہلے ہوئے۔ اور ضرور ضرور مضبوط کرے گا اُن کے دین کو جس کو اُس نے اُن کے لیئے پسند کیا اور خوف کو جو اُن کے لاحق حال ہوگا۔ ضرور ضرور امن سے بدل دیگا۔ اور وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرائینگے اور جو کوئی اس کے بعد ناشکری کرے گا۔ وہ پھر خود عہد کو توڑنے والا ہے"۔ صاف فرمایا کہ خلافت کا مقصد تمکین دین اور جس قسم کا خوف دین کے لاحق حال ہو اُس کو امن سے بدلنا ہے۔ اور تمکین دین اور امن کا مقصد توحید بتلایا۔ تا خدا کی عبادت میں کوئی شریک نہ ٹھیرایا جاوے +

اشاعت توحید۔ اس کے مختلف ذرائع ہیں :-

(۱) رسالت۔ قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔ وہی تو خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اُسے کل دینوں پر غالب کر کے دکھائے۔ اور اگرچہ مشرکوں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے۔ ظاہر ہے کہ مشرکوں کو توحید کی اشاعت ہی بری لگا کرتی ہے۔ اور توحید کا غلبہ اُنھیں ناپسند ہوتا ہے۔ کیونکہ اُن کے اصول کے خلاف ہوتا ہے۔ مزید برآں دین کی یوں

تشریح کی کہ رضیت لکم الاسلام دیناً یعنے تمہارے لیئے دین اسلام پسند کیا۔ پھر اسلام کی تشریح یوں فرمائی کہ بلی من اسلم وجھہ للہ وھو محسن۔ مسلمان وہ ہے جس نے اپنا مونھ خدا کی کامل فرمانبرداری میں رکھدیا اور عمل سے بھی ثابت کیا۔ پھر خدا کی نسبت فرمایا۔ کہ قل ھو اللہ احد۔ کہدے وہ اللہ ایک ہے۔ اس طرح رسالت کا مقصد توحید ہوا۔ کیونکہ دین حق توحید ہی ثابت ہوا۔ جو رسل لاتے ہیں۔

(۲) **قرآن**۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ وتلک الامثال نضربھا للناس لعلھم یتفکرون ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو۔ عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمن الرحیم۔ اور اگر ہم نازل فرماتے اس قرآن کو پہاڑ پر تو اے مخاطب تو دیکھتا۔ کہ وہ خدا کے خوف سے جھک گیا ہوتا اور پھٹ پڑا ہوتا۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیئے بیان کرتے۔ تاکہ وہ ذرا سوچیں۔ وہ اللہ ایسا ہے کہ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔ وہ رحمن اور رحیم ہے۔ اسی طرح توحید کی تعلیم سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ چنانچہ خود بھی قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم اللہ واحد (کہدے میں تمہارے جیسا انسان ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے) فرما کر بتلادیا کہ قرآن کا مقصد توحید ہے۔ مگر قرآن تب ہی مفید مطلب ہوسکتا تھا۔ جب اس کی ہر زمانہ میں حفاظت ہوتی رہتی۔ اس کے لیئے یوں تسلی دی کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون۔ بے شک ہم نے ہی اس ذکر کو اُتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں اور واقعات زمانہ نے شہادت دی کہ قرآن جیسی محفوظ کتاب دُنیا میں کوئی نہیں۔ جب وہ محفوظ ہے تو فرمایا فاقرو ما تیسر من القرآن قرآن سے جو میسر ہو پڑھا کرو۔ تا توحید کی اشاعت ہوتی رہے۔

(۳) **خلافت**۔ آیت استخلاف سے ابھی میں نے ثابت کیا ہے۔ کہ خلافت کا مطلب بھی توحید ہی ہے۔ یعنے توحید کی حفاظت و اشاعت کی جائے۔ جیسے کہ یعبدونی لا یشرکون بی شیئ سے ظاہر ہے۔ یعنے خلافت کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں خدا کی عبادت ہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرایا جاوے۔ دُوسرے یہ کہ رسالت کا فرض منصبی جو لیظھرہ علی الدین کلہ میں بتلایا گیا ہے یعنے توحید اور اسلام کو کل دنیا کے دینوں پر غالب کرکے دکھانا۔ اس کا تکمیل پر پہنچانا

خلفاء کا فرض ہے۔

(۴) جماعت۔ قرآن کریم فرماتا ہے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون۔ اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہو جو خیر کی طرف بلاوے اور نیک کام کرنے کو کہے اور بُرے کاموں سے روکے اور یہ لوگ کامیاب ہونگے۔ اب خیر کیا ہے۔ اس کے سمجھنے کے لیئے قرآن کریم کو ہی لو۔ فرماتا ہے مایود الذین کفروا من اھل الکتٰب ولا المشرکین۔ ان ینزل علیکم من خیر من ربکم واللہ یختص برحمتہ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم۔ اہل کتاب اور مشرکین میں سے، جو لوگ انکار کرنے والے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر خیر نازل ہو۔ اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے لیئے جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضلوں والا ہے۔ سیاق بساق اور تمام مفسرین کے اتفاق رائے سے یہ بات ثابت ہے کہ یہاں خیر سے مراد وحی ہے پس یدعون الی الخیر کا مطلب یہ ہوا۔ کہ اس قرآن کی وحی کی طرف لوگوں کو بلائیں۔ قرآن کی وحی کی نسبت میں اوپر ثابت کر چکا ہوں کہ وہ توحید ہی جیسا کہ اوحی الی انما الھکم الہ واحد سے ظاہر ہے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ تمہارا خدا ایک خدا ہے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ توحید کی طرف دعوت کرنے کے لیئے تم میں ہمیشہ ایک گروہ قائم رہنا چاہیئے۔ جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کرے۔

(۵) اذان۔ قرآن کریم فرماتا ہے واذا نادیتم الی الصلوٰۃ اتخذوھا ھزوًا ولعبًا ذٰلک بانھم قوم لا یعقلون۔ اور جب تم نماز کی طرف اذان کے ذریعہ بُلاتے ہو تو بعض لوگ اسے حقیر اور بے حقیقت سمجھتے ہیں۔ یہ اس لیئے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں۔ پس یہاں یہ بتلایا کہ اذان کو حقیر یا بے حقیقت سمجھنا بے عقلی ہے۔ بلکہ اس کے اندر بڑی گہری حقیقت موجود ہے اور یہ بڑی قابل قدر چیز ہے۔ کیونکہ دراصل اس کے ذریعہ اشاعت توحید مقصود ہے۔ پانچ وقت مسلمانوں پر فرض کیا۔ کہ وہ بلند سے بلند مقام پر چڑھ کر خدا کی توحید کی منادی کریں تاکہ کسی وقت تو کوئی سعید رُوح فائدہ اُٹھالے۔ اذان کے لفظوں کو اللہ سے شروع کیا۔ اور اللہ ہی پر ختم کیا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان محمدًا رسول اللہ اشھد ان محمدًا رسول اللہ حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الفلاح

حیّ علی الفلاح اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ - اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے۔ میں گواہی دیتا ہوں کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلعم اللہ کا رسول ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلعم اللہ کا رسول ہے (یہ حفاظت توحید کیلئے ہے) نماز کی طرف دوڑو۔ نماز کی طرف دوڑو (جو خالص خدا کی عبادت ہے) فلاح و نجات کیطرف دوڑو۔ فلاح و نجات کی طرف دوڑو (کیونکہ نماز جو خالص خدا کی عبادت ہے فلاح و نجات کی کنجی ہے) اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے۔ اب بتلاؤ اس سے بڑھ کر اور توحید کی منادی کیا ہو سکتی ہے۔ اور یہ روز پانچ وقت مسلمانوں پر فرض ہے۔

توحید کی علّت غائی

توحید کی علّت غائی نجات ہے۔ جس کے معنے ہیں لامحدود ترقی۔ جس کو اجر غیر ممنون سے قرآن نے تعبیر کیا ہے یعنے ایسا اجر جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ انسان کو احسن تقویم پر پیدا کر کے پھر اُسے توحید پر چلا کر گویا ابدی ترقی کی راہ اس پر کھول دی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ کائنات عالم میں جو بھی چیز پیدا کی گئی ہے۔ ظاہر ہو یا باطنی قرآن کریم نے اسے ایک نعمت قرار دیا ہے جو انسان کی ترقیات ظاہری و باطنی کے لیئے مسخّر کی گئی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے الم ترو ان اللہ سخر لکم ما فی السموات و ما فی الارض و اسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃً و باطنۃ ط کیا تم لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ سب کو اللہ نے تمہارا فرمانبردار بنایا ہے۔ اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کی ہیں۔ اس آیت کریمہ میں صاف طور پر بتلایا ہے۔ کہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب کا سب ظاہری یا باطنی رنگ میں تمہارے لیئے ایک نعمت ہے اور سب کی سب تمہاری فرمانبردار ہیں۔ پس ان نعمتوں کا شکر یہی ہے کہ ان سے کما حقہ فائدہ اٹھاؤ اور ترقیات کرتے چلے جاؤ۔ ان کو اپنا خادم سمجھو۔ معبود نہ سمجھو۔ کیونکہ جو شخص ان کو معبود سمجھتا ہے۔ وہ اُن سے خدمت نہیں لے سکتا۔ اور اس لیئے ترقی بھی نہیں کر سکتا۔ اور جو شخص ان کو اپنا خادم

سمجھ کر ان سے کام لیتا ہے۔ وہ ترقی کے آسمان پہ تارا بن کر چمکتا ہے۔ چنانچہ ایک آتش پرست یا پانی کو معبود بنانے والا ان سے کوئی نفع نہیں اٹھا سکتا۔ مگر ان کو خادم سمجھ کر ان سے کام لینے والا ان سے ریل دوڑا سکتا۔ اور طرح طرح کی کلیں چلا سکتا اور نفع اٹھا سکتا ہے۔ ایک دریا کا پرستار اس سے کوئی نفع نہیں اٹھاتا۔ ہاں اس کو خادم سمجھنے والا اس سے نہریں نکالتا اور زراعت کو سیراب کرتا ہے۔ اس کی آبشاروں سے بجلی نکالتا اور ریل چلاتا گویا تمام ترقیات کی جڑ کل کائنات کو اپنا خادم سمجھنا ہے۔ اور یہی وہ گر اور اصل ہے۔ جو قرآن کریم نے توحید کے اندر انسان کے ذہن نشین کرایا ہے۔ تا انسان کل کائنات پر بحیثیت خلیفۃ اللہ کے حکمران ہو۔ اور اس پر ابدی ترقیات کے دروازے کھولے جائیں۔ لیکن یہیں تک نہیں انسانوں میں بھی مختلف استعداد اور قابلیتوں کے افراد ہوتے ہیں۔ تو کیا ایک انسان اپنے سے بڑے انسان کے آگے عبادت کے لیے سر جھکا دے۔ ہرگز نہیں خلقکم من نفس واحدۃ فرما کر بتلا دیا۔ کہ تم سب ایک جنس سے پیدا ہو۔ اس لیے انسان انسان سب برابر۔ تمام انسانوں میں سے محمد رسول اللہ کو خاتم النبیین اور اسوہ حسنہ فرما کر آپ کی ذات بابرکات کو تمام کمالات انسانی کا جامع۔ اور آپ کے نمونہ کو بہترین نمونہ قرار دیکر اور تمام نوع انسان پر فضیلت اور شرف عطا فرما کر پھر بشر مثلکم اور عبد نا کہکر بتلا دیا۔ کہ وہ بھی معبود نہیں ہو سکتے۔ بلکہ بلحاظ بشریت و عبودیت کے وہ تمہارے مانند ہی ہیں۔ پس اس مثلکم میں غضب کی تاثیر ہے۔ کیونکہ جب وہ شخص جو بہترین خلائق ہے۔ اور کمالات انسانی کے انتہائی نقطہ پر پہنچا ہوا ہے۔ ایک انسان ہی ہے۔ تو پھر دوسرے انسانوں کو بھی ترغیب ہوتی ہے۔ کہ ہم بھی اسی کے نقش قدم پر چل کر اپنی اپنی استعداد کے مطابق انسانی کمالات سے حصہ لیں چنانچہ اسی لیے قرآن کریم میں آتا ہے۔ کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ کہدے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔ پس قرآن نے یہ سکھلایا۔ کہ اپنے سے بڑھ کر باکمال انسانوں کو جب دیکھو۔ تو ان کے آگے پرستش کے لیے سر نہ جھکاؤ۔ بلکہ ان کو نمونہ سمجھ کر ان کے نقش قدم پر چل کر تم بھی ان کمالات سے حصہ لو۔ جو شخص کسی باکمال کے آگے عبادت کے لیے سر جھکاتا ہے۔ وہ گویا اس کمال سے اپنے محروم رہنے پر مہر لگاتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کمال کو انسانی

حیثیت سے بالاتر سمجھتا ہے۔ اور جو اُس باکمال کی اتباع کرتا ہے۔ وہ اپنے لیئے اس کمال کا دروازہ کھول لیتا ہے۔ پس قرآن کریم نے توحید کے ماتحت جہاں ایک طرف تمام کائنات پر انسان کی بحیثیت خلیفۃ اللہ کے حکومت قائم کی۔ وہاں دوسری طرف اپنے سے بڑھ کر باکمال انسانوں کی جن میں سب سے بڑھ کر انبیاء کا گروہ قرار دیا۔ اور اُن میں سب سے بڑھ کر محمد رسول اللہ صلعم کا مرتبہ رکھا۔ صرف اتباع کو ضروری قرار دیا۔ تا انسان ترقی کے معراج پر گام زن ہو۔ گویا تمام کائنات ماتحت اور خادم۔ اور تمام انسان برابر۔ انسانوں میں جو کمالات میں اعلےٰ مقام رکھتا ہے ادنےٰ کو اس کے نمونہ کی اتباع کرنی چاہیئے۔ حصول کمالات کے لیئے۔ نہ کہ پرستش اور بس۔ یہ ہے وہ ترقی کی راہ جو لا متناہی ہے۔ اور جو صرف توحید۔ ہاں صرف توحید کے ذریعہ ہی انسان پا سکتا ہے۔ توحید کے جس پہلو کو کسی قوم نے چھوڑا ہے۔ وہیں سے وہ تنزل کی قعر میں جا گری ہے۔ مثال کے طور پر یورپ کو لو۔ یورپ کی قوموں نے ظاہری نعمتوں کے متعلق توحید سے کام لیا۔ یعنے کل کائنات ظاہری کو اپنا خادم سمجھا۔ اور علوم ظاہر کے ہر ایک باکمال کو اپنے جیسا انسان سمجھ کر اُس کے نقش قدم پر چلے۔ اس لیئے دنیا میں ترقی کے معراج پر پہنچ گئے۔ لیکن باطنی نعمتوں میں توحید سے کام نہ لیا۔ اور ایک انسان کے کمال کو دیکھ کر اُسے خدا مان لیا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ باطنی ترقیات سے محرُوم رہ گئے۔ اور رفتہ رفتہ نوبت باینجا رسید کہ دین کی آنکھ کانی ہو کر خدا پرستی سے مادہ پرستی کے گڑھے میں جا گرے۔ پس ظاہری اور باطنی ترقیات کی جڑ توحید ہے اور توحید کا کمال اسلام میں ہے۔ جیسا کہ میں اوپر ثابت کر آیا ہوں۔ اس لیئے یہی ایک مذہب ہے جو انسان کے لیئے ابدی نجات اور لا انتہا ترقیات کا دروازہ کھولتا ہے۔ اور باقی سب دعوے ہی ہے۔ وآخر دعوینا ان الحمد للہ رب العالمین ○

خاکسار

بشارت احمد عفی اللہ عنہ

اسلامی جنگوں کی ابتداء

اور غرض

(البقرۃ - رکوع ۲۴)

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا - قرآن کریم کی ترتیب میں یہ سب سے پہلی آیت ہے - جس میں قتال فی سبیل اللہ کی اجازت یا حکم دیا گیا ہے - اور ربیع اور ابن زید کا قول ہے کہ بلحاظ نزول بھی یہ سب سے پہلی آیت ہے جس میں قتال کی اجازت دی گئی - مگر سورت الحج میں بھی چونکہ یہ اجازت نازل ہو چکی - اور الحج کا نزول مکہ میں ہوا - اس لیئے قتال کی اجازت پر سب سے پہلی وحی سورت الحج کی یہ آیت ہے - اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ - لیکن اس آیت میں محض اجازت ہے - اور آیت زیر بحث میں حکم کا رنگ ہے - اس سے بھی معلوم ہوتا ہے - کہ قتال کے بارے میں پہلی وحی سورت الحج کی وہ آیت ہے جو اوپر لکھی گئی ہے - اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آیت زیر بحث جنگ کے شروع ہو جانے پر دلالت کرتی ہے - اس آیت میں تین شرطیں جنگ کرنے پر لگائی گئی ہیں - اوّل یہ کہ قتال فی سبیل اللہ ہو - دوسرے یہ کہ صرف ان لوگوں سے جنگ ہو جو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں - تیسرے یہ کہ جنگ میں زیادتی نہ ہو ؛

سب سے پہلے فی سبیل اللہ کا لفظ قابل غور ہے - معترضین خصوصاً عیسائیوں نے فی سبیل اللہ کے معنے لوگوں کو بجبر مسلمان کرنے کے لیئے ہیں - مگر یہ صرف ان کے اپنے دماغوں کی اختراع ہے - قرآن کریم میں الفاظ فی سبیل اللہ ان معنوں میں ہرگز نہیں آئے - صدقات کے ذکر میں اس سورت کے اخیر پر بار بار فی سبیل اللہ فرمایا - تو کیا اس سے یہ مراد ہو سکتی ہے - کہ لوگوں کو بجبر مسلمان کرنے کے لیئے اپنے مالوں کو خرچ کرو - اوّل تو

خود ان الفاظ سے ہی کہ تم اُن سے جنگ کرو۔ جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ کے معنے وہ نہیں جو عیسائی معترض کہتے ہیں۔ یہاں تو جنگ کی ابتداء دشمن کی طرف سے ہے۔ مسلمانوں کو بڑے بڑے دکھ اور مصیبتیں پہنچائی گئیں۔ اُن پر انھوں نے صبر کیا۔ اور آخر جب دشمن تلوار سے بالکل اُن کو نیست و نابود کرنے پر تل گیا۔ اور خود اسلام کی زندگی معرض خطر میں آگئی۔ تو تب فی سبیل اللہ جنگ کرنیکا حکم ہوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ سے مراد حفاظت اسلام ہے۔ بلکہ جب تک محض مسلمانوں پر ظلم تھے۔ اور گو مسلمان مارے جاتے تھے۔ مگر ایسی حالت نہ تھی۔ کہ خود اسلام کو نیست و نابود کرنے کا دشمن نے عزم کر لیا ہو۔ اس وقت تک جنگ کا حکم نہیں دیا گویا درحقیقت یہ جنگ حفاظت مال و املاک یا حفاظت ملک یا حفاظت جان یا حفاظت قوم کے لیئے بھی نہ تھے۔ بلکہ محض اس لیئے کہ اللہ تعالےٰ کا نام دُنیا سے نہ مٹایا جائے۔ اسی لیئے اس کو فی سبیل اللہ لڑنا کہا۔ دفاعی جنگ اس کا نام نہیں رکھا۔ ہاں ایک جگہ کمزور ایمان والوں کو سمجھانے کے لیئے کہا۔ تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ او ادفعوا (آل عمران ۶۶) یعنی آؤ اللہ کی راہ میں یعنی اللہ کے نام کو مٹائے جانے سے بچانے کے لیئے جنگ کرو۔ اور اگر یوں نہیں سمجھتے تو کم از کم یوں ہی سمجھ لو۔ کہ دفاع کے لیئے تو یہ جنگ کرنا اب امر مجبوری ہو گیا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے۔ کہ بدر کے دن جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم رو رو کر دُعائیں کر رہے تھے تو آپ کے مُونھ سے یہی الفاظ نکلے اللھم ان اھلکت ھذہ العصابۃ فلن تعبد فی الارض ابدا۔ اے خدا اگر تو نے ان مُٹھی بھر مُسلمانوں کو ہلاک کر دیا تو پھر زمین میں تیری عبادت کبھی نہ ہو گی۔ اس سے بھی فی سبیل اللہ کے معنوں پر روشنی پڑتی ہے پس اسلامی جنگوں یعنی ان جنگوں کی جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کرنی پڑیں۔ یہ ایک خصوصیت ہے۔ کہ وہ نہ تو ملک اور قوم کے لیئے اور نہ ہی مال اور سلطنت کے لیئے تھیں بلکہ محض اس غرض کے لیئے کہ تا کفار اسلام کا نام و نشان دنیا سے نہ مٹا دیں۔

دوسری شرط جو لگائی گئی وہ یہ ہے۔ کہ تم صرف ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے ساتھ کرتے ہیں۔ اس میں اگر ایک طرف یہ بتا دیا۔ کہ ابتدا پھر بھی کسی صورت میں تمہاری طرف سے نہیں ہونی چاہیئے۔ بلکہ دشمن جنگ میں ابتدا کرے۔ تو پھر تم بھی کرو۔ تو دوسری طرف یہ بھی واضح کر دیا

کہ ہر ایک متنفس دشمن نہیں۔ اسی بناء پر اسلام کی جنگوں میں یہ حکم تھا کہ کسی بوڑھے یا بچے یا عورت کو قتل نہ کیا جائے۔ مگر چونکہ اس وقت ان تین قسموں کو چھوڑ کر باقی ساری قوم دراصل جنگ میں شامل ہوتی تھی۔ اور سب لوگ جو ہتھیار اُٹھانے کے قابل ہوں جنگ میں شامل ہوتے تھے۔ فوج معمولی آبادی سے علیحدہ ہوتی تھی۔ اس لیئے آج ہم اسی بناء پر اس نتیجہ پر بھی پہنچتے ہیں کہ اس زمانہ میں الذین یقاتلونکم میں صرف افواج شامل ہونگی اور عام ملکی آبادی مستثنےٰ رہے گی۔ چنانچہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے ماتحت راہبوں کو خواہ وہ ہتھیار اُٹھانے کے قابل ہوں مستثنےٰ کر دیا۔ کیونکہ اُن کا کام جنگ کرنا نہ تھا +

تیسری شرط یہ ہے۔ کہ جنگ کے اندر ضرورت جنگ سے تجاوز نہ کیا جائے۔ جنگ کی اصل غرض تو دشمن کو کمزور کرنا ہے۔ پس جب وہ حاصل ہو جائے۔ تو خواہ مخواہ جان و مال کا اتلاف جائز نہیں اسی لیئے یہ بھی حکم تھا۔ کہ دشمن کے مکانات کو ان کے کھیتوں کو خواہ مخواہ تباہ نہ کیا جائے +

ان تینوں شرطوں نے اگر ایک طرف اسلامی جنگوں کو معمولی ملکی جنگوں سے الگ کر دیا تو دوسری طرف اس سے پہلے جس قسم کے مذہبی جنگ ہوتے تھے۔ اُن کی سختی کو بھی بالکل دُور کر دیا یہودیوں کے مذہبی جنگوں کے مقابلہ میں اسلام کے یہ مذہبی جنگ نرمی رحمت ہی رحمت تھے۔ کیوں کہ یہودیوں کے جنگوں میں دشمن کے بچے عورتیں بوڑھے تہ تیغ کر دیئے جاتے تھے۔ اور ایک متنفس بھی زندہ نہ چھوڑا جاتا تھا۔ بلکہ مویشیوں تک فنا کر دیئے جاتے۔ اور کھیتوں اور باغوں اور گھروں کے مال و اسباب بلکہ خود مکانات کو آگ کے سپرد کیا جاتا۔ سو یہودیوں کے جنگ دشمن کے قطعی استیصال کے لیئے اور اُس کو دُنیا سے نیست و نابود کرنے کے لیئے ہوتے تھے۔ مگر اسلام کے جنگ صرف اس دشمن کی حد اعتدال کے اندر سزا کے لیئے تھے۔ جس نے اسلام کی بیخ کنی اور اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیئے کمر باندھ لی تھی۔ افسوس ہے کہ اس تہذیب کے زمانے میں بھی یورپ کے ملکی جنگ یہودیوں کے مذہبی جنگوں سے زیادہ قریب ہیں۔ گو قوانین بین الاقوام میں اسلامی جنگوں کے اعتدال کی طرف میلان پایا جاتا ہے۔ ہاں اُن قوانین پر جنگ کے وقت میں جو انتہائی جوش و غضب کا وقت ہوتا ہے۔ عمل کر کے دکھانا ہر ایک شخص کا کام نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے اُس اعتدال کا کمال عین جنگوں کے اندر دکھایا ہے۔ اور یہی

وجہ ہے۔ کہ جنگوں کے احکام کے اندر بار بار تقوٰے اور اعتدال اور انصاف اور عفو اور درگذر کی تعلیم دی جاتی تھی +

واقتلوھم حیث ثقفتموھم۔ اور جہاں کہیں ان کو پاؤ قتل کردو۔ ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکالنا۔ کہ جہاں کوئی غیر مسلم ملے اُسے قتل کردینا چاہیئے۔ سراسر حماقت ہے۔ ہر ایک غیر مسلم سے توجنگ کرنے کا بھی حکم نہیں۔ بلکہ جیساکہ پچھلی آیت اور اس کے نوٹ سے ظاہر ہے۔ صرف ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم ہے۔ جو پہلے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور اقتلوھم میں ھم کی ضمیر الذین یقاتلونکم کی طرف جاتی ہے۔ اس آیت میں غیر مسلموں کا تو نام نہیں نہ اس سے پہلی آیت میں ہے۔ بلکہ شروع رکوع سے کفار یا غیر مسلموں کا تو ذکر تک نہیں آیا پس اقتلوھم میں ھم سے مراد کفار نہیں۔ بلکہ وہی ہیں جن کا ذکر پچھلی آیت میں ہے۔ یعنی الذین یقاتلونکم یا وہ لوگ جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ یا جنگ کرنے میں ابتدا کرچکے ہیں۔ پس انھی کو جہاں پائے جائیں قتل کرنے کا حکم ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے۔ کہ جب ایک دشمن مسلمانوں کے استیصال کے لیئے کمربستہ ہورہا تھا۔ تو کیا اب اس کے بالمقابل یہ کہا جاتا۔ کہ وہ تو جہاں تم کو پائے گا قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔ مگر تم کو اس کے قتل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ آخر جب دشمن سے جنگ چھڑ چکی ہے تو اب وہ دشمن خواہ کہیں ہو ضروری ہے۔ کہ اسکو قتل کیا جائے +

واخرجوھم من حیث اخرجوکم۔ جہاں سے اُنھوں نے تم کو نکالا وہاں سے تم ان کو نکال دو۔ اس میں گویا یہ بتایا ہے۔ کہ جنگ کب تک جاری رہے۔ اسمیں جنگ کا جاری رہنا قصاص کی حد تک جائز رکھا ہے۔ وہ جگہ جہاں سے ان لوگوں نے جو اب مسلمانوں سے جنگ کررہے تھے نکالا تھا مکہ تھی۔ اور گو ان کی طرف سے جنگ کی ابتداء کیئے بغیر اسلام نے جنگ کا حکم نہیں دیا۔ مگر اب جب جنگ شروع ہوگئی تو یہ بالکل حق تھا۔ کہ جہاں سے مسلمان بجبر نکلے گئے تھے وہ جگہ واپس لیلی جائے۔ اس میں جنگوں کے اندر آخری کامیابی کی پیشگوئی بھی ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن اسلامی جنگوں کی غرض دشمن کو نیست و نابود کرنا یا مسلمان کرنا نہ تھی۔ بلکہ صرف اپنے جائز حقوق کو قائم کرنا اور ان چیزوں اور حقوق کو واپس لینا تھا۔

جن سے وہ ظلم سے اور ناحق محروم کیئے گئے تھے +

والفتنة اشد من القتل۔ فتنة کے معنوں میں لکھا ہے۔ اصلها عرض الذهب على النار لاستخلاصه من الغش۔ یعنی اصل اسکا سونے کا آگ میں ڈالا جانا ہے۔ اس غرض کے لیئے کہ تا کھوٹ اور میل بالکل الگ ہو جائے۔ اور فتنہ اور فتن کے الفاظ قرآن کریم میں ان اذیتوں کے متعلق استعمال ہوئے ہیں۔ جو کفار کی طرف سے مسلمانوں کو پہنچتی تھیں۔ جیسا کہ آیت ان الذین فتنوا المومنین والمؤمنات ثم لم یتوبوا فلهم عذاب جهنم سے ظاہر ہے۔ ایسا ہی فرمایا ومن الناس من یقول امنا بالله فاذا اوذی فی الله جعل فتنة الناس کعذاب الله۔ یہاں اس ایذا کا نام جو اللہ کی راہ میں دیجائے فتنة رکھا ہے۔ ایسا ہی ایک جگہ فرمایا ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا۔ یعنی کفار کی طرف سے ایذا پہنچنے کا خطرہ ہو۔ اور یہاں تو خود اخرجوهم من حیث اخرجوکم کہہ کر ظاہر کر دیا ہے۔ کہ یہاں فتنہ سے مراد مسلمانوں کا اُن کے گھروں سے نکالا جانا ہے۔ یعنی یہ حکم کہ جنگ کو اُس وقت تک جاری رکھو جب تک ان کفار سے مسلمانوں کے وہ حقوق ملجائیں۔ جن سے انھیں بجبر محروم کیا گیا ہے۔ اسی لیئے ہے کہ بلا قصور وطن سے بیوطن کر دینا اور مال و املاک کا چھین لینا قتل سے بھی بڑھ کر ہے +

ولا تقاتلوهم عند المسجد الحرام۔ حتی یقاتلوکم فیه۔ مسجد حرام کی حدود میں جنگ کرنا عرب کے اندر جائز نہ سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا۔ کہ تم بھی اس پاک گھر کی حرمت کا پورا لحاظ رکھو۔ حتےٰ کہ اس کی حدود کے قریب بھی جنگ نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ ان حدود کے اندر جنگ کی ابتداء کریں +

فان انتهوا فان الله غفور رحیم۔ انتهوا کے معنے ہیں رُک جائیں۔ باز آجائیں۔ یعنی اگر مسلمانوں کو دُکھ دینے سے رُک جائیں۔ جس کا ذکر لفظ فتنہ میں کیا ہے۔ تو تم معاف کر دو کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی غفور اور رحیم ہے۔ وہ خطا کاروں سے غفر اور رحم کا معاملہ کرتا ہے۔ اور اصل غرض تو فتنہ کو روکنا ہے +

وقتلوهم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین لله۔ اسی آیت کے معنوں پر اس ساری

بحث کا آخری دارومدار رکھا گیا ہے۔ جو اسلامی جنگوں کی انتہائی غرض سمجھی گئی ہے۔ لفظی معنے تو ان الفاظ کے صرف اس قدر ہیں۔ کہ تم ان سے جنگ کرتے رہو۔ یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔ اور دین اللہ کے لیئے ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ ان الفاظ سے کیا مطلب ہے۔ معترضین اسلام کا یہ خیال ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت تک جنگ کرتے رہو۔ جب تک کفر اور شرک باقی نہ رہے۔ اور سب لوگ مسلمان ہو جائیں۔ اس بات کی شہادت کہ یہ معنے درست نہیں۔ اسی قدر کافی ہے کہ سب سے پہلے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف کیا۔ کیونکہ آپ نے تو متعدد موقعوں پر کفار کے ساتھ صلح کی۔ اور بالخصوص صلح حدیبیہ کا واقعہ تو ہر ایک شخص کو معلوم ہے۔ جس میں آپ نے ایسی شرائط کے ساتھ جو مسلمانوں کے لیئے بظاہر مفید نہ تھیں۔ کفار مکہ کے ساتھ صلح کی۔ اگر اللہ تعالےٰ کا حکم یہ ہوتا۔ کہ جب تک سب مسلمان نہ ہو جائیں اس وقت تک جنگ کرتے جاؤ۔ تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کیوں بار بار کفار سے صلح کرتے ہیں۔ جن متواتر عہدناموں کو کفار توڑ ڈالتے تھے۔ جیسا کہ ینقضون عھدھم فی کل مرۃ سے ظاہر ہے اور کیوں آپ کو قرآن کریم میں یہ حکم ہوتا۔ فان جنحوا للسلم فاجنح لھا۔ کہ اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں۔ تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ۔ اس طرح پر نہ صرف نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل ہی قرآن کے خلاف نہیں ٹھیرتا۔ بلکہ خود قرآن کا ایک حکم دوسرے کے مخالف ہو جائے گا۔ کیونکہ ایک جگہ تو گویا یہ حکم دیتا ہے۔ کہ لڑائی بند نہ کرو جب تک سارے کافر مسلمان نہ ہو جائیں۔ جیسا کہ معترضین کا خیال ہے۔ اور دوسری جگہ یہ حکم دیتا ہے۔ کہ اگر کافر صلح کی طرف مائل ہوں تو صلح کر لو۔ پس ان معنوں کے جو معترضین پیش کرتے ہیں غلط ہونے پر یہ قطعی اور کافی شہادت ہے +

اب سوال یہ ہے کہ پھر ان الفاظ کے کیا معنے ہونگے۔ سب سے پہلے ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ لفظ فتنہ کے کیا معنے مراد لیئے جا سکتے ہیں۔ اس لفظ کے اصلی معنے اور پھر قرآن کریم کی آیات سے بعض شہادتیں کہ اس پاک کتاب میں یہ لفظ کن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ دیئے جا چکے ہیں۔ جہاں یہ دکھایا گیا ہے کہ کفار کی طرف سے جو ایذا مسلمانوں کو پہنچائی جاتی تھی۔ انکو گھروں سے نکالا جاتا تھا۔ اُن کو مار ڈالا جاتا تھا۔ اسی کا نام قرآن کریم نے فتنہ رکھا ہے

صحیح بخاری میں یہی معنے لفظ فتنہ کے کیے ہیں۔ جہاں حضرت ابن عمر کی ذیل کی روائت موجود ہے۔ کان الاسلام قلیلا فکان الرجل یفتن فی دینہ اما قتلوہ واما یعذبونہ حتی کثر الاسلام فلم تکن فتنۃ مسلمان تھوڑے تھے۔ سو ایک شخص کو اس کے دین کی وجہ سے دکھ دیا جاتا تھا (یفتن) یا اسے قتل کر دیتے یا ویسے دکھ پہنچاتے۔ یہاں تک کہ اسلام بڑھ گیا سو پھر فتنہ یعنی دکھ دیا جانا باقی نہ رہا۔ اس روایت سے نہ صرف لفظ فتنہ کے معنے ہی صاف ہو جاتے ہیں۔ بلکہ سارے فقرہ لا تکون فتنہ کے معنے واضح ہو جاتے ہیں +

اسی طرح یہ دکھایا جا چکا ہے کہ یکون الدین للہ کے یہ معنے نہیں ہو سکتے۔ کہ کل لوگ مسلمان ہو جائیں۔ بلکہ درحقیقت ان الفاظ میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ جس کا ذکر لا تکون فتنہ میں ہے۔ کیونکہ جب دین کی وجہ سے دکھ نہ دیا جائے گا۔ تو پھر دین محض اللہ کے لئے ہوگا۔ اور دین کا اللہ کے لیئے ہونا یہی ہے کہ اس میں جبر باقی نہ رہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ خود فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین علاوازیں بخاری کی ایک روائت سے ان الفاظ کے معنے خوب واضح ہوتے ہیں عن ابن عمر اتاہ رجلان فی فتنۃ ابن الزبیر۔ فقالا ان الناس صنعوا وانت ابن عمر وصاحب النبی صلے اللہ علیہ وسلم فما یمنعک ان تخرج۔ فقال یمنعنی ان اللہ حرم دم اخی۔ فقال الم یقل اللہ۔ فقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ۔ فقال قاتلنا حتی لم تکن فتنۃ وکان الدین للہ وانتم تریدون ان تقاتلوا حتی تکون فتنۃ ویکون الدین لغیر اللہ۔ یعنی ابن زبیرؓ کے فتنہ میں دو شخص حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ لوگوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ اور آپ حضرت عمرؓ کے بیٹے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ آپ کیوں نہیں نکلتے۔ آپ نے جواب دیا مجھے یہ بات روکتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بھائی کا خون حرام کیا ہے۔ انھوں نے کہا۔ کیا اللہ تعالےٰ نے نہیں فرمایا وقاتلوھم حتی لا تکون فتنہ۔ آپ نے جواب دیا۔ ہم نے جنگ کیا۔ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہا۔ اور دین اللہ کے لیئے ہو گیا۔ اور تم چاہتے ہو کہ جنگ کرو۔ یہاں تک کہ فتنہ ہو جائے۔ اور دین غیر اللہ کے لیئے ہو جائے۔ اب اس روایت سے نہایت صفائی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ فتنہ کے لفظ کے کیا معنے سمجھتے تھے۔ وہ فتنہ سے مراد کفر و شرک نہیں لیتے تھے۔ بلکہ ظلم اور فساد

اور دکھ دینا یہی معنے فتنہ کے ان کے نزدیک تھے۔ انہی معنوں میں حضرت ابن عمرؓ نے فتنہ کا لفظ استعمال فرمایا۔ اور انہی معنوں میں دونوں سائیلوں نے۔ اور حضرت ابن عمرؓ نے آخری الفاظ میں کہ تم اب اس لیئے جنگ کرتے ہو کہ ایک فتنہ کھڑا ہو جائے اور دین غیر اللہ کے لیئے ہو جائے۔ یہ بھی بتا دیا کہ اللہ کے لیئے یا غیر اللہ کے لیئے دین کے ہونے کے کیا معنے ہیں گویا درحقیقت فتنہ کا ہونا دین کا غیر اللہ کے لیئے ہونا ہے اور فتنہ باقی نہ رہنا یہی دین کا اللہ کے لیئے ہونا ہے۔ ورنہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ منشاء نہ تھا کہ تم اب اس لیئے جنگ کرتے ہو۔ کہ خدائے واحد کی پرستش کو مٹا کر یا دین اسلام کا خاتمہ کر کے پھر کفر اور شرک کو پھیلاؤ۔ بلکہ مطلب یہ تھا۔ کہ جب ایک فتنہ برپا ہوگا۔ تو پھر لوگوں کی دین کے معاملہ میں وہ آزادی نہ رہے گی جو اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ ہو +

انہی معنوں کی تائید میں قرآن کریم کی سورت حج کی وہ آیت ہے جس میں جنگ کی اجازت دے کر جنگ کی اصل غرض کو بیان کیا ہے ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰۃ ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا۔ یعنی اگر اب ان لوگوں کی شرارتوں کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے دفعیہ نہ کر دیا جائے تو پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ راہبوں کے خلوت خانے اور گرجے اور عبادتگاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے برباد ہو جائیں تو گویا درحقیقت اسلامی جنگوں کی غرض یہ تھی۔ کہ مذہبی خلوت خانوں کو گرجوں کو ہر مذہب کی عبادتگاہوں کو مسجدوں کو بچایا جائے۔ یا بالفاظ دیگر سب مذاہب کی حفاظت کیجائے اور اسی غرض کو بالفاظ دیگر یہاں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ ویکون الدین للہ۔ دین اللہ کے لیئے ہو جائے۔ زید و بکر کا جبر اس میں کوئی نہ رہے +

فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظٰلمین۔ یعنی اگر یہ اب بھی فتنہ سے رک جائیں مسلمانوں کو دکھ دینا چھوڑ دیں۔ دین کے معاملہ میں جبر نہ کریں تو پھر ہم بھی سزا اُن سے اُٹھا لیں گے۔ کیونکہ سزا تو ظالموں کے لیئے ہے۔ اگر یہ ظلم ترک کر دیں تو سزا بھی موقوف کر دیجائیگی یہ اسی کے ہم معنے ہے۔ جو آیت مذکورہ بالا میں فرمایا فان انتھوا فان اللہ غفور رحیم۔ اگر یہ رک جائیں تو اللہ تعالےٰ بھی عفو اور رحم کا معاملہ ان سے کرنے کے لیئے تیار ہے۔ یہی وجہ تھی

کہ جب کبھی کفار ان شرائط پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے صلح کرنے پر راضی ہوتے تھے۔ کہ وہ مسلمانوں کو دکھ نہیں دیں گے۔ اُن پر چڑھائی نہیں کریں گے۔ تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فی الفور صلح کر لیتے تھے۔ اسی کے مطابق قرآن کریم کی یہ آیت ہے فان جنحوا للسلم فاجنح لها جب یہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کر لو۔ کیونکہ اصل غرض تو فتنہ کا دور کرنا تھا۔ اور جب ذرا صلح ہوتی تھی تو کثرت سے کفار اسلام میں داخل ہونے لگ جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کفار کو فکر پڑ جاتی تھی۔ اور وُہ پھر معاہدات توڑ کر اسلام کی ترقی کو تلوار کے ذریعہ سے روکنا چاہتے تھے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ان الفاظ میں الذین ینقضون عهدهم فی کل مرّة +

الشهر الحرام بالشهر الحرام والحرمت قصاص۔ حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے بدلہ میں اور تمام حرمت والی اشیاء میں قصاص ہوگا۔ عرب میں چار مہینے حرمت والے تھے۔ جن میں تمام قومی جنگیں رُک جاتی تھیں۔ تجارتیں کھل جاتی تھیں۔ اور لوگ امن و امان سے سفر کر سکتے تھے۔ کوئی شخص سخت سے سخت دشمن کو کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ جب اسلامی جنگوں کے احکام نازل ہوئے تو حرمت والے مہینوں میں جنگوں کے حکم کا ذکر ہونا بھی ضروری تھا۔ اسلام چونکہ ہر ایک پہلو میں رحمت ہی رحمت تھا۔ اس لیئے ان مہینوں کی حرمت کو اسی طرح برقرار رکھا۔ ہاں چونکہ کفار نے تو مسلمانوں کے دکھ دینے میں حرمت والی چیزوں کی بھی پروا نہ کی تھی۔ یہاں تک کہ خود مسجد الحرام میں مسلمانوں کو دُکھ دیئے گئے اسلیئے فرمایا کہ اگر یہ کافر حرمت والے مہینوں میں جنگ کریں تو قصاص کے رنگ میں مسلمان بھی مجبور ہونگے۔ کہ ان مہینوں کے اندر جنگ کریں۔ اور یہی صورت باقی حرمت والی چیزوں میں ہوگی یعنی یہی شہر الحرام والا حکم بلد الحرام اور حالتِ احرام کے لیئے ہوگا۔ یہی حرمات ہیں۔ یعنی نہ حرمت والے مقام کے اندر جنگ ہوگی نہ حالتِ احرام میں جنگ ہوگی۔ حرمت والے مہینے چار ہیں۔ یعنی ذیقعدہ۔ ذی الحجہ۔ محرم۔ رجب +

فمن اعتدٰی علیکم فاعتدوا بمثل ما اعتدٰی علیکم۔ جو شخص تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے ویسا ہی جواب اس کی زیادتی کا تم اس کو دو اعتداء

کے معنے لغت میں مجاوزۃ الحق کے ہیں۔ یعنی حق سے یا حد سے تجاوز کرنا۔ لیکن ان الفاظ کے معنے ہم یوں نہیں کر سکتے کہ جو تم پر زیادتی کرے۔ تم بھی اس پر ویسی زیادتی کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔ کیونکہ زیادتی کرنے والے کو درحقیقت سزا دیجاتی ہے یا اس کی زیادتی کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ وہ فعل خود زیادتی نہیں بلکہ عین حق ہے۔ پس زیادتی کرنے والے کا مقابلہ کرنا اپنے حق سے تجاوز نہیں اور اس لیئے فاعتدوا علیہ کے معنے یوں نہیں کیئے جائیں گے کہ تم اس پر زیادتی کرو۔ بلکہ ترجمہ یوں ہوگا کہ تم اس کی زیادتی کا مقابلہ کرو یا جواب دو۔ یہی معنے مفسرین اور اہل لغت نے کیئے ہیں۔ چنانچہ مفردات میں ہے۔ ای قابلوہ بحسب اعتدائہ یعنی اس کی زیادتی کے مطابق اس کا مقابلہ کرو۔

وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور اپنے ہاتھوں سے اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو۔ بخاری میں اس کے متعلق نزلت فی النفقۃ۔ یعنے یہ آیت خرچ کرنے کے بارے میں اُتری اور خود سیاق و سباق عبارت چاہتا ہے۔ کہ اس آیت میں خرچ کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔ اور چونکہ فی سبیل اللہ کا لفظ قرآن کریم میں جہاد پر بولا گیا ہے۔ اس لیئے ظاہر اور صاف معنے اس آیت کے یہی ہیں۔ کہ چونکہ تم کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جہاد کے لیئے اموال کی ضرورت ہے۔ اس لیئے اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کروگے تو اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والے ہوگے۔ جب دشمن اس بات پر تلا ہوا تھا۔ کہ وہ مسلمانوں کا نام و نشان دُنیا سے مٹا دے تو اب اس کے بالمقابل تیاری نہ کرنا اور روپیہ اور مال صرف کرنے سے بچنا۔ درحقیقت خود ہلاکت کو اپنے اُوپر لانا تھا۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے۔ کہ جب قتال کی اجازت نازل ہوئی تو ایک شخص نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ ہمارے پاس زاد نہیں۔ فامر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان ینفقوا فی سبیل اللہ وان یتصدقوا وان لا یکفوا ایدیھم عن الصدقہ ولو بشق تمرۃ تحمل فی سبیل اللہ فیھلکم افنزلت ھذہ الایۃ علی وفق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ یعنی اس شخص کی عرض پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگ اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں اور صدقہ کریں۔ اور اپنے ہاتھوں کو صدقہ

سے نہ روکیں۔ خواہ کھجور کا ٹکڑا ہی ہو جو اللہ کی راہ میں دیا جائے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کرینگے تو ہلاک ہو جائیں گے۔ اسی کے مُطابق آیت نازل ہوئی۔ احسان کا حکم جو اس کے بعد ہے اسی معنی کا مُوئید ہے +

آج بھی مسلمانوں کو غور کرنا چاہیئے۔ کہ اُن کے مذہب پر کس قدر حملے ہو رہے ہیں۔ اور اگر وُہ اپنے اموال کو اشاعت اسلام کے لیئے اللہ کی راہ میں نہ لگا دیں گے۔ تو وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والے ہونگے۔ اور درحقیقت ہلاکت تو صاف نظر آتی ہے۔ کاش اب بھی مسلمان اپنی ذاتی مصایب کو دین کی مصیبت عظمےٰ کے سامنے ہیچ سمجھیں اور اپنے آرام اور آسایش کو خدا کے دین کے لیئے قربان کر دیں +

سالِ نو اور برٹش نومُسلم

جیسا کہ ہم پہلے بھی اپنے ناظرین کو اطلاع دے چکے ہیں۔ ووکنگ مشن کا سب سے کامیاب کام ان نومسلموں کے دلوں میں اسلام کی اشاعت کا سچا جوش پیدا کر دینا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ اور جن کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ لیکن صرف تعداد کی ترقی ہمارے لیئے خوشی کا موجب نہ ہو سکتی تھی۔ جب تک کہ ان نومسلموں کے اندر سچا اسلامی جوش بھی پیدا نہ ہوتا سو خدا کا احسان ہے کہ ایک طرف اگر ہم یہ فرحت بخش خبر اپنے ناظرین کو پہنچانے کے قابل ہیں۔ کہ اس تحریک کی بدولت ایک سو سے زائد انگریز مرد اور عورتیں اسلام میں داخل ہو چکی ہیں۔ تو دوسری طرف اس خبر کی اشاعت خود ہمارے لیئے خوشی اور تقویت کا موجب ہے۔ کہ ان نومُسلموں کے دلوں میں اسلام کی خدمت اور اشاعت میں حصہ لینے کا شوق اور جوش ہے۔ اسلام مذہب ہی ایسا ہے کہ کوئی شخص اگر خالی الذہن ہو کر اس کی خوبیوں پر نظر ڈالے تو اسے اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے یہ نہ صرف فطرت انسانی کے سارے تقاضوں کو ہی پورا کرتا ہے۔ بلکہ ہر قسم کے تمدنی اخلاقی اور روحانی ضروریات کو پُورا کرنے کا سامان بھی اس کے اندر موجود ہے۔ پھر یہ کس قدر خوشی پہنچانے والی بات ہے کہ اسلام کی بدولت مشرق و مغرب میں ایک ایسا اتحاد پیدا ہو رہا ہے جو ان دونوں کو ایک کر نے

والا ہے۔ اسلام ہر قسم کی قومی تنگ خیالیوں کو جڑ سے کاٹتا ہے۔ کیونکہ اسکا سب سے پہلا اصول یہی ہے کہ خدا ایک قوم کا خدا نہیں۔ بلکہ دُنیا کی ساری قوموں کا ایک ہی خدا ہے۔ اور سب قومیں ایک ہی کنبہ ہیں۔ کیسے پیارے یہ الفاظ ہیں۔ جنھوں نے آج سے تیرہ سو سال پیشتر مشرق و مغرب کے اتحاد کی بنیاد رکھدی۔ رب المشارق والمغارب۔ مشرقی سرزمینوں اور مشرقی قوموں کا بھی وہی رب ہے اور مغربی سرزمینوں اور مغربی قوموں کا بھی وہی رب ہے۔ اسی لیئے کل دُنیا کو مخاطب کرکے فرمایا یایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (الحجرات) اے لوگو جو اس زمین پر رہتے ہو ہمنے تمکو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تمکو شاخیں اور قبیلے بنایا۔ تاکہ تم ایک دُوسرے کو پہچانو۔ تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے۔ جو اللہ کے نزدیک سب سے متقی ہے۔ کیا اتحاد کا پاک اصُول باندھا ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ گویا تم سب ایک ہی کُنبے اور ایک ہی برادری ہو۔ پھر یہ بھی سچ ہے۔ کہ قومیں اور قبیلے الگ الگ بھی ہوئے۔ مگر یہ اسلئے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان کر اُن سے محبت کرو اور ہمدردی کرو۔ نہ اس لیئے۔ کہ ایک دوسرے کو بیگانہ اور اجنبی قرار دے کر بغض و نفرت باہم بڑھاؤ۔ پھر فرمایا کہ دُنیا میں تم ایک دُوسرے سے بڑا اور زیادہ عزت والا بننا چاہتے ہو۔ سو یاد رکھو کہ انسان کی حقیقی عزت نیکی میں ہے۔ اور نیکی یہی ہے۔ کہ خدا کے حقوق کو بھی ادا کرے اور بنی نوع انسان کے ساتھ بھی ہمدردی کرے۔ پس حقیقی بڑائی نہ قومیت اور قبیلہ سے حاصل ہوتی ہے نہ مال و دولت سے نہ عہدہ و مرتبہ سے بلکہ اس مالک حقیقی کے نزدیک تم سب ایک ہی ہو۔ اور تم میں بڑا وہی ہے جو اپنے فرائض کو شناخت کرتا اور اُن کو پورا کرتا ہے۔ اس سے بڑھکر محبت اور ہمدردی اور ایک دوسرے کے اُوپر شفقت پیدا کرنے کا اور کیا اصول ہو سکتا ہے۔ اسلام ہی ایک مذہب ہے جس میں انسان کو انسان کے ساتھ اور قوم کو قوم کے ساتھ اتحاد اور یگانگت پیدا کرنے کی صحیح راہ بتائی گئی ہے۔ اور یہی ایک مذہب ہے جو دُنیا میں حقیقی صلح کی بُنیاد رکھتا ہے۔ اور جنگوں اور جھگڑوں کو کم کرتا ہے۔

پھر ایک اور خوبی اسلام کی یہ ہے۔ کہ وہ ایک ایسا مذہب ہے جو کوئی اصول عقل انسانی کے خلاف نہیں سکھاتا۔ بلکہ اس کے تمام اصول ایسے ہیں۔ کہ وہ معقولیت کی بنا پر پورے اُترتے ہیں پس جسقدر معقولیت دُنیا میں ترقی کرے گی۔ جس قدر انسان اس بات کو سیکھیں گے۔ کہ بجائے جذبات کے

عقل کی بنیاد پر انسان کی اصلی ترقی کا دارومدار ہے۔ اسی قدر وہ اسلام کے قریب آئیں گے +

ہم اپنے نو مسلم بھائیوں اور بہنوں سے یہ امید رکھتے ہیں۔ کہ جہاں وہ اپنے وعظ سے اسلام کی خوبیوں کو دُوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وُہ اپنے پاک چال چلن اور اپنی وسیع ہمدردی اور بنی نوع کی خدمت کے نمونہ سے بھی دُوسروں کو اسلام کی طرف بلائیں گے۔ اور ان نو مسلموں کے ساتھ اپنے دُوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی توجہ دلاتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُنیا میں قایم کیا جانے کی اصل غرض ہی اسی کو بتایا ہے۔ کہ وُہ دوسروں کو اپنے قول سے اور فعل سے اپنے وعظ سے اور نمونہ سے بھلائی کی طرف بلائیں۔ اور سب سے بڑی بھلائی تو اسلام ہی ہے۔ فرماتا ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتؤمنون باللہ ولو اٰمن اھل الکتاب لکان خیرا لھم (آل عمران) تم سب قوموں سے بہتر قوم ہو جنکو لوگوں کی بھلائی کے لیئے پیدا کیا گیا ہے۔ تم اچھی باتوں کو کرنے کا حکم دیتے ہو۔ اور بُری باتوں سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔ اور اہل کتاب بھی اگر ایمان لے آتے تو اُن کے لیئے بہتر ہوتا"

دُوسروں کو نیکی کی طرف بلانا صرف مذہب کے واعظین کا کام نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک مسلم کا فرض اوّل یہی ہے۔ ہر ایک مسلمان کو چاہیئے۔ کہ وہ ایک سچے مسلم کی زندگی بسر کرے۔ اور اُسکے قول اور فعل میں اسلامی رُوح کام کر رہی ہو۔ اس سے وہ لوگ جو اسلام کی تعلیم سے ناواقف ہیں خود کھینچے چلے آئیں گے۔ سب سے بڑی فیاضی دوسروں کو صراط مستقیم دکھانا ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں۔ اور قرآن پر ایمان رکھنے کا دعوٰے کرتے ہیں۔ مگر مُسلم کے فرائض سے غافل اور قرآن کی تعلیم سے کوسوں دُور پڑے ہوئے ہیں۔ اُن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اسلام ایک مسلمان سے کیا چاہتا ہے۔ عمل کرنے کا مرتبہ تو بعد میں ہے۔

ذیل میں ہم یحییٰ النصر پارکنسن صاحب کے ایک مضمون کا جو جنوری ۱۹۱۶ء کے پرچہ اسلامک ریویو میں نکلا ہے ایک حصہ دیتے ہیں۔ اس مضمون کی ابتدا میں فاضل مضمون نویس نے عیسائیوں کے تیوہار کرسمس کے ابتداء پر روشنی ڈالی ہے۔ اور آخر پر اپنے نو مسلم بھائیوں کو جو برطانیہ کلاں میں ہیں کچھ نصیحتیں کی ہیں۔ اور اسلامک ریویو کے متعلق بھی اُن کو ان کے فرائض سے آگاہ کیا ہے ہم بھی اپنے ناظرین سے امید رکھتے ہیں کہ وہ بھی اسلامک ریویو کے متعلق اپنے فرائض کو ادا کرنیکی

کوشش کریں۔ کتنا بڑا عظیم الشان کام۔ یورپ۔ امریکہ اور کل انگریزی خوان دُنیا میں اسلام کی تبلیغ کرنا۔ مسلمانوں میں اس قسم کے کام کی کتنی اور مثالیں ہیں۔ ایک بھی نہیں۔ مگر باوجود کام کی عظمت کو تسلیم کرنے کے اور باوجود اس اعتراف کے۔ کہ ہمارے ہاتھ میں یہی ایک ذریعہ ہے جس سے اسلام کی تعلیم کو ہم دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں۔ ہماری کوششیں کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ اکثر لوگوں میں تبلیغ کا احساس ہی نہیں۔ لیکن اسلام کی تبلیغ کا احساس پیدا کرنا اگر ضروری ہے۔ تو اسکے لیئے خود مسلمانوں کے اندر اس رسالہ کی اشاعت کا بڑھانا لازمی ہے۔ ہمارے وہ احباب جو اس رسالہ کو اسلام کے حقیقی خدمت کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اُن پر فرض ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں میں اس کی اشاعت کو بڑھانے کی کوشش کریں۔ ایک ایک مشنری سوسائیٹی بعض وقت کئی کئی لاکھ رسالے نکالتی ہے۔ مگر یہاں کل دُنیائے اسلامی میں ایک ہی رسالہ اور اُسکی اشاعت دس ہزار تک بھی نہ پہنچے۔ ہماری غفلت کا کافی ثبوت ہے۔

پارکنسن صاحب اپنے مضمون محولہ کے آخر میں لکھتے ہیں:۔

"موجودہ نمبر کے ساتھ اسلامک ریویو کی ایک نئی جلد شروع ہوتی ہے۔ اور ایک اور سال کے لیئے تبلیغ کے میدان میں اُس نے قدم اُٹھایا ہے۔ ابتدا سے ہی اس رسالہ کی غرض یہ رہی۔ کہ اسلام کے اصول کو برطانیہ کے لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کرے۔ اور یہی غرض اس کی آج بھی ہے۔ کیا اُس نے گذشتہ میں اپنے فرائض کو ادا کیا ہے۔ اس سوال کا جواب خود اس کے پڑھنے والوں پر چھوڑتا ہوں۔ میرے یقین میں مضمون نویسوں نے اپنی قابلیت کے بہترین جوہر اس میں دکھائے ہیں۔ اور اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ خاص ترقی اس کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ نتائج ہر طرف بین ہیں۔ نکتہ چینی میں کمی ہو رہی ہے۔ اور روزانہ اخبارات اب اسے اس عداوت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ جیسا پہلے دیکھتے تھے۔ برٹش مسلم سوسائیٹی۔ کیا بلحاظ تعداد کے اور کیا بلحاظ قوت اور جوش کے ترقی کر رہی ہے۔ لیکن میں اپنے قارئین کو اس غلطی میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ کہ کل ترقی کا اندازہ محض ان اعداد کے شمار سے ہو سکتا ہے۔ جنہیں نومسلموں کی تعداد بیان کی جا سکتی ہے۔ اس رسالہ کے ساتھ ہمدردی اور اس میں دلچسپی ایسے مقامات میں اور ایسی طرح پیدا ہو چکی ہے۔ جو ہمارے ابھی علم میں بھی نہیں۔ بیج جابجا گر گیا ہے

مگر پختگی کی حالت کو پہنچنے کے لیئے یہ ابھی بہت سا وقت لیگا۔ اور جب اس کا وقت آئیگا تو معلوم ہوگا۔ کہ حقیقت میں یہ رسالہ کس قدر کام کر چکا ہے۔ ابھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ کس حد تک اور کہاں کہاں ہمارا اثر پہنچ چکا ہے۔ ریویو ابھی بچہ ہے۔ اور اس کا اثر اس کی عمر میں ترقی کے ساتھ بڑھتا چلا جائے گا۔ اور اس لیئے اس کے کام کی شوکت بھی رفتہ رفتہ ہی بڑھے گی۔

ہاں اس نئے سال کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ ہمارے مضمون نگار اور قارئین رسالہ اپنے ارادوں اور ہمتوں میں ایک تازگی کی روح پیدا کریں۔ جو ہماری اور اس رسالہ کی شان کے لائق ہو۔ کسی کام میں اگر کمزوری یا غفلت دکھائی جائے۔ تو مستقل اور دیرپا اثر اس کا پیدا نہیں ہو سکتا بلکہ جس کام کو ہاتھ ڈالا جائے اس میں ہر وقت نئی گرمی نیا جوش۔ نئی ہمت اور اسکی کامیابی پر نیا ایمان پیدا ہوتے رہنا ضروری ہے۔ اور یہی بڑھتی ہوئی ہمت اور بڑھتا ہوا ایمان اسکی کامیابی کی اصل جڑھ ہوتا ہے۔ اگر یہ باتیں ہمارے اندر پیدا ہو جائیں تو وہ ہمیں اس قابل بنا سکتی ہیں کہ ہم بڑھتی ہوئی کوشش کیساتھ اس منزل کے طے کرنے میں قدم اٹھائیں اور مقصود حقیقی کے عمدہ سے عمدہ گوہر ہمارے ہاتھ میں آئیں ٭

پس برادران اٹھو اور کام میں لگ جاؤ۔ ہم ایک ایسے عالم میں ہیں۔ کہ جس میں زندگی کے ساتھ حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اور ہماری زندگی کی قیمت اور قدر نہ صرف ہمارے افعال سے بڑھ سکتی ہے۔ ہمارے کام ایسے ایثار اور بے نفسی کے کام ہونے چاہئیں۔ کہ ہم دوسروں کے لیئے رہنمائی کا کام دے سکیں۔

یاد رکھو کہ کام کرنا ہی حقیقی زندگی ہے۔ یہی حیات ہے۔ اور سستی اور کاہلی انسان کی اخلاقی موت ہے۔ جس چیز کے متعلق تم کو یقین ہے۔ کہ وہ صداقت ہے۔ اس کا ساتھ مضبوط ہو کر دو ہاں یہ اچھی طرح سے غور کر لو۔ کہ جس چیز کو تم نے لیا ہے وہ صداقت ہی ہے۔ تمام چیزوں کا اچھی طرح معائنہ کر لو۔ اور خوب تحقیق کر لو۔ لیکن تحقیقات کے بعد جب ایک نتیجہ پر پہنچ جاؤ تو پھر کام میں سستی نہ آنے دو۔

تنقید ہی صحیح علم کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے پھر جس طرح تم دوسروں کے افعال اور خیالات پر تنقید کی نظر دوڑاتے ہو۔ اپنے افعال اور خیالات کو بھی تنقید کے ماتحت لاؤ۔ اپنے خیالات کی دوسروں سے بھی تنقید چاہو۔ اور اس سے کوئی خوف مت کرو۔ جب ایک شخص حق پر ہو تو

پھر ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ جو شخص زیادہ علم حاصل کرتا ہے۔ وہ کاموں کو زیادہ سرانجام دینے کے زیادہ قوت اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ علم سے ہی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ علم ہی ایک قوم کو دوسری پر فوقیت دیتا ہے۔ علم ہی تہذیب کی بُنیاد رکھتا اور افراد اور قوموں اور نظاموں کے ٹھیک سانچے میں ڈھالتا ہے۔ اخلاق و عادات کے بنانے میں یہ سب سے اہم جزو ہے۔ اور اسلئے قومی اور تمدنی زندگی کی یہ بُنیاد ہے۔ صرف اسی طرح پر ہی ایک شخص ان اعلےٰ صفات کو حاصل کر سکتا ہے۔ جن تک خداداد عقل کے ذریعہ سے انسان کا پُہنچنا ممکن ہے۔ مضبوط رہو اور کوئی خوف مت کرو وللآخرۃ خیرلك من الاولےٰ ارشاد خداوندی ہے۔ مُستقبل ماضی سے بہتر ہے ثم السلام علیکم"

نئے عہدنامہ کی عمر

پادری آرچی گرڈسٹون کرائیسٹ چرچ کا آنریری پادری لکھتا ہے :-

"یہ کس قدر قدیم ہے۔ میں پسند کرتا ہوں کہ اہم مضامین کے مطالعہ میں اس چیز سے شروع کروں جو سب سے آخر ہے۔ اسلئے میں نئے عہدنامہ سے شروع کرتا ہوں اور میں پوچھتا ہوں کہ وہ یونانی نُسخہ جسکا ترجمہ ہمارے پاس ہے کسقدر قدیم ہے۔ اس کی پہلی طبع شدہ ایڈیشن ۱۵۱۶ء میں چھپی تھی۔ لیکن یہ ہمکو گذشتہ زمانہ میں بہت دُور تک نہیں پُہنچاتی۔ یہ ایراسمس کا کام تھا۔ اسکا سب سے پُرانا مروّج قلمی نُسخہ ہمیں جہاں تک قریب قریب اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۱۰۵۰ء تک لے جاتا ہے۔ مگر اب بھی تین سو سال کا عرصہ رہجاتا ہے۔ جو ہمیں کتاب کی پیدائش تک پُہنچائے یعنی نئے عہدنامے کے نبیوں اور رسولوں کے زمانہ تک اس لمبے عرصہ پر سے کس طرح گذر سکتے ہیں یعنی وہ وقت جو ۱۰۵۰ء اور ۹۰ء کے جب آخری مصنف اس کتاب کا مر چکا ہوگا۔ درمیان گذرا۔ یہ زمانہ ہماری اغراض کے لیئے اس طرح پورا ہو سکتا ہے۔ کہ ابتدائی زمانہ کے عیسائی مصنفین میں جو ۱۰۵۰ء سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور جنکو اصل کتابوں کے دیکھنے کا موقعہ ملا ہوگا نقل کردہ فقرے ملتے ہیں۔ جو ان کتابوں سے لیئے گئے ہونگے۔ جو اب تباہ ہو چکی ہیں۔ ۳۰۳ء میں رومی شہنشاہ ڈریو کلی شن نے حکم دیا۔ کہ ہر ایک نسخہ آسمانی نوشتہ کا ضائع کر دیا جائے۔ اور اس طرح پر

اکثر نسخہ جات تباہ ہو گئے۔ مگر مصالح الٰہی نے کچھ کتابیں ایسی بچا دیں۔ جن میں ان پُرانے نسخوں سے عبارتیں نقل کی ہوئی تھیں۔ مشہور لارڈ ہیلسنر نے ایک دفعہ کھانے کے میز پر یہ سوال کیا فرض کرو۔ کہ انجیل کے مروّجہ نسخوں میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے تو کیا یہ ممکن ہو گا۔ کہ ابتدائی عیسائی تصانیف میں سے حوالجات کو اکٹھا کر کے نیا عہدنامہ بنا لیا جائے۔ اُس نے اس خیال پر کام کرنا شرُوع کیا۔ اور چونکہ علمی خیالات کا آدمی تھا۔ اور اس کے لیے جن کتابوں کی ضرورت تھی وہ اس کے پاس موجود تھیں۔ اِس لیے دو یا تین ماہ کے عرصہ میں وہ اس بات کے اندر کامیاب ہو گیا۔ کہ ابتدائی زمانہ کے بزرگوں کی تحریروں میں سے ایسے منقولہ فقرے اکٹھے کر سکے جن میں ہر ایک درس نئے عہدنامہ کے مل جاتی تھی۔ سوائے قریباً آٹھ آیتوں کے

پس تمہارے لیے پہلی تین صدیوں کی عیسائی تحریروں میں ایسا سامان موجود ہے کہ سارا نیا عہدنامہ وہاں سے مِل سکتا ہے۔ بشرطیکہ ترتیب قایم کرنیکا کوئی ذریعہ تمہارے ہاتھ میں ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ وہ طریق ہے جس سے ہمکو نئے عہد نامہ کی عمر اور اُسکی صحت کا پتہ ملتا ہے۔ ہم اس زمانہ سے پہلے اس کی طبع کے زمانہ تک پہنچتے ہیں۔ پھر موجودہ قدیم نسخہ کے زمانہ تک پہنچتے ہیں وہاں سے ابتدائی بزرگوں کی تحریروں تک پہنچتے ہیں۔ اور اس طرح آخری قدم پہلی صدی میں رکھتے ہیں۔ جہاں سے یہ کتاب ہمارے پاس آئی۔

غالباً ہمارے ناظرین پادری صاحب کی اس تحریر سے بہت سے مفید سبق حاصل کر سکیں گے اور انجیل کی قدامت اور اسکے قابل اعتبار ہونیکا بھی صحیح اندازہ لگا سکیں گے۔ اور جس کتاب کی یہ حالت ہو کہ ساڑھے تین سو سال تک اسکے کسی نسخے کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ اسکے متعلق یہ کہنا کہ قرآن نے اسکو محرّف مبدّل کہنے میں ایک ایسا الزام دیا ہے جو ثابت نہیں ہو سکتا۔ پرلے درجہ کی خوش فہمی ہے۔ اوّل مشکل تو یہ کہ انجیل کوئی متی کی روایت کے مطابق ہے تو کوئی مرقس کی اور کوئی یوحنا کے اور اصل لکھنے والوں کا پتہ نہیں کہ کون تھے پھر آجتک بڑے بڑے محقق حیران ہیں کہ اسکے لکھے جانیکا صحیح زمانہ کسطرح مقرر کریں کوئی پہلی صدی کے اندر اندر اسکا لکھا جانا مانتا ہے تو کوئی اسکے بھی پیچھے۔ پھر پہلے ساڑھے تین سو سال کا نسخہ بھی ندارد۔ پھر اگر ازسرِنو انجیل کو بنانیکی ضرورت پڑے تو اسکے جمع کرنیکی طرز بھی کیسی نرالی ہے کیا یہ کتاب اس کامل اور پاک کتاب کا کوئی مقابلہ کر سکتی ہے جسکی نہ صرف حضرت عثمان کے لکھوائے ہوئے نسخے آجتک موجود ہیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہر زمانہ میں ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کے سینوں میں اسطرح محفوظ رہی ہے کہ اگر ایک بھی نسخہ اسکا کسی زمانہ میں نہ ملے تو وہ ایسی ہی محفوظ ہے جیسے کروڑوں نسخوں کی موجودگی میں خدا تعالےٰ نے اپنی کامل حکمت سے حفاظت کاملہ کے سامان کسی مقدس کتاب کو سوائے قرآن کریم کے عطا نہیں فرمائے۔ خدا کے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔ ان کتابوں کی ہمیشہ کیلئے ضرورت نہ تھی اس لیے انکی حفاظت کو اپنے ذمہ نہ لیا۔ مگر قرآن کی چونکہ قیامت تک ضرورت تھی اور اسکے بعد کوئی کتاب نازل ہونیوالی نہ تھی اس لیے اسکی حفاظت

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری

(۱) براہین نیرہ حصہ اول المعروف بہ قرآن ایک خاتم اور عالمگیر الہام۔ اردو قیمت (۱۰/)

(۲) ام الالسنہ یعنی عربی مبین کل زبانوں کی ماں ہے۔ اُردو قیمت بارہ آنے۔ (۱۲/)

(۳) اسوہ حسنہ۔ الموسوم بہ "زندہ اور کامل نبی" اردو۔ قیمت صرف چار آنے ..... (۴/)

(۴) احادیث نبوی کا اقتباس انگریزی قیمت (۲/)

مسلم پرئیر انگریزی قیمت چار آنے .... (۴/)

صحیفہ آصفیہ تبلیغ بنام بحضور نظام حیدرآباد دکن۔ اردو۔ قیمت دو آنے ..... (۲/)

بنگال کی دلجوئی انگریزی و اردو فی کتاب قیمت (۱/)

مسلم مشنری کے ولایتی لکچروں کا سلسلہ اردو قیمت (۱/) اور تین عدد انگریزی قیمت ...... (۳/)

مسلم ان چیوڈ ٹورڈ گورنمنٹ انگریزی۔ کرشن اور تار اردو۔ فی کتاب قیمت .... (۱/)

اسلامک ریویو مسلم انڈیا کی جلدیں ۱۹۱۳ء-۱۹۱۴ء انگریزی قیمت جلد ۱۹۱۳ء (۵/) جلد ۱۹۱۴ء ... (۵/)

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کے سابقہ پرچے جولائی ۱۹۱۴ء لغایت دسمبر ۱۹۱۴ء (۸/)

دیگر مختلف تصنیفات

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اول مرتبہ حضرت مولوی محمد علیؓ صاحب ایم۔ اے۔ اردو..... (۶/)

نکات القرآن حصہ دوم " ... " ... (۶/)

عصمت انبیاء ...... " ... " ... (۸/)

غلامی .... " ... " ... (۴/)

ویسٹرن اویکنگ ٹو اسلام مصنفہ جناب لارڈ ہیڈلے بالقابہ انگریزی قیمت بارہ آنے ... (۱۲/)

التوحید جس میں لا الہ الا اللہ کی مختصر تفسیر مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل۔ ایم۔ ایس (۱/)

طریق فلاح جس میں بت پرستی کی بنیاد اور اس سے بچنے کی آسان راہ۔ قیمت ایک آنہ .... (۱/)

Miracle of Mohd

مصنفہ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر انگریزی (۱/)

اسلام اینڈ سوشیلزم " " " (۳/)

پیغام صلح انگریزی و اردو فی رسالہ قیمت ... (۱/)

النبوۃ فی الاسلام۔ نبوت کی اصل غرض و غائیت۔ مصنفہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے قیمت..... (۸/)

حدوث مادہ " " " ... (۴/)

جلد اول ۱۹۱۵ء رسالہ اشاعت اسلام قیمت تین روپے (۳/)

پتہ

مینیجر اشاعت اسلام عزیز منزل۔ احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا۔ لاہور

نوٹ:۔ ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقہ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں خصوصاً تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں

مکمل جلد ۳ ۱۹۱۵ء رسالہ اسلامک ریویو مسلم انڈیا۔ انگریزی مجریہ لندن قیمت صرف پانچ روپیہ ... (۵/)

براہین نیّرہ

حصہ اوّل المعروف

قرآن ایک خاتم ناطق اور عالمگیر الہام

مصنفہ خواجہ کمال الدین صاحب ایڈیٹر مسلم ریویو۔ لنڈن

قیمت صرف (۱۰ر)

یہ کتاب بالخصوص مغربی تعلیم وتہذیب سے مستفیض اصحاب کی خاطر لکھی گئی ہے اور ان مطالبات عقلیہ کے پورا کرنے کیلئے اس میں کافی مواد جمع کیا گیا ہے کہ جن کے سوا تعلیم یافتہ اصحاب کسی تعلیم مذہبی کو بطور صداقت ماننے کے لیئے طیار نہیں ہوتے۔ یہ کتاب انشاء اللہ ان احساسات مذہبی کو مضبوط کرکے حالت ایمان میں بدل دے گی۔ جو اس وقت مسلم تعلیم یافتہ اصحاب میں پیدا ہو رہے ہیں۔ یوں تو ہر ایک مذہب اپنی اپنی کتاب کو عالمگیر الہام قرار دے کر دوسری کتب کو مجموعہ اباطیل ظاہر کرتے ہیں لیکن مصنف براہین نیّرہ نے کل کتب مقدسہ کو اپنے اپنے وقت کی الہامی کتاب تسلیم کر کے ان سب کے مقابل قرآن کو خاتم ناطق اور عالمگیر ثابت کیا ہے۔ چونکہ یہ کتاب یہاں کے لیئے لکھی گئی ہے۔ اس لیے شرعاً وید کی تعلیمات کو مصنف نے علی العموم سامنے رکھا ہے۔ اس کتاب میں معتقدات ایمانیات یا منقولات کو دلیل نہیں بنایا گیا بلکہ دلائل عقلیہ سے جو قرآن سے لی گئی ہیں مبرہن کیا گیا ہے۔ مثلاً جن تعلیمات اور معاملات کو دیگر کتب نے بطور دعوے یا حکم منوانا چاہا۔ قرآن کا ان کے ثبوت میں دلائل عقلیہ پیش کرنا دکھلایا گیا ہے۔ اس کتاب میں یہ ایک خاص بات زیر بحث لائی گئی ہے۔ کہ مذہب یا الہام کی اصلی غرض نزول تعلیم صرف تہذیب وتمدن انسانی ہے اور ایک عالمگیر الہام کے لیئے ضروری ہے۔ کہ اسکی تعلیمات مختلف طبقات انسانی کے مختلف مدارج تہذیب کے موزون حال ہو۔ اس امر کا لحاظ قرآن کریم کے سوا کسی اور کتاب نے نہیں کیا۔ خود تہذیب وتمدن ان کی حقیقت وماہیت ان کے بنیادی اصول انکے حصول کے ذرائع اور قوانین پر ایک محققانہ وحکیمانہ بحث کی گئی ہے۔ اور دکھلایا گیا ہے کہ موجودہ تہذیب وتمدن کے قواعد کس طرح اور کہاں تک قرآنی تعلیم کے زیر اثر ہیں۔ الغرض اس کتاب کی خوبی فہرست مضامین سے ظاہر ہوسکتی ہے۔ جو اکثر ... کے رسالہ اشاعت اسلام میں دکھا دے گی۔ اس کتاب سے کوئی مسلم گھر خالی نہیں ہونا چاہیئے۔

المشتہر

منیجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل۔ احمدیہ بلڈنگس نولکھا۔ لاہور